پاکستان کی نئی سیاسی صورتِ حال؛
ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی) کا تبصرہ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت :- ۳۶-کے- ماڈل ٹاؤن - لاہور

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد: ۳۲	شمارہ: ۹	ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۳ء

مشمولات

عرض احوال ———— ۳

عاکف سعید

تذکرہ وتبصرہ ———— ۵

پاکستان کی نئی سیاسی صورت حال

ڈاکٹر اسرار احمد

تصریحات وتوضیحات ———— ۳۷

ڈاکٹر اسرار احمد

الہُدیٰ —— (ساتویں نشست) —— ۴۳

مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد

اِصلاحِ معاشرہ کا انقلابی پہلو —— ۵۷

ڈاکٹر اسرار احمد کا سلسلہ وار خطاب

شیخ جمیل الرحمٰن

رفتارِ کار ———— ۶۷

ادارہ

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِتعاون

۳۰/ روپے

قیمت فی شمارہ

۳ روپے

ناشر

ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع

مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی

فون: ۸۵۲۶۱۱

سپاٹنس ۶، [illegible] منزل نزد [illegible] باغ۔ شاہراہ لیاقت۔ کراچی۔ فون برائے رابطہ [illegible]

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی مطبوعات میں

ایک اہم اضافہ

عید الاضحیٰ

اور

فلسفۂ قربانی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

ایک تقریر اور ایک تحریر

صفحات — ۴۸

قیمت : ۳ روپے صرف

— ملنے کا پتہ —

۳۶ ۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون :۔ ۸۵۲۶۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عاکف سعید

عرضِ احوال

الحمد للہ کہ ستمبر کا شمارہ کتابت و طباعت کے جملہ مراحل طے کرنے کے بعد اب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس شمارے کی اشاعت میں جو تاخیر ہوئی ہے اُس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ اگرچہ معاملہ وہی ہے کہ "ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا!" پرچہ اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں تھا کہ والدِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے جمعہ ۲۶ راگست کو مسجد دارالسلام لاہور میں "پاکستان کی موجودہ سیاسی صورت حال اور اصلاحِ احوال کی تجویز" کے عنوان سے خطاب فرمایا۔ چونکہ موضوع کا حالاتِ حاضرہ سے گہرا تعلق تھا اس لیے ہمارے ایک رفیقِ کار شیخ رحیم الدین صاحب کی تجویز پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس تقریر کو اسی ماہ کے شمارے میں شامل کیا جائے تاکہ قارئینِ میثاق تک بات بروقت پہنچ جائے۔ یہی امر "باعثِ تاخیر" بنا۔

مذکورہ بالا تقریر میں "اصلاحِ احوال کی تجویز" کے ضمن میں والدِ محترم نے اپنے اُس خط کو بنیاد بنایا ہے جو انہوں نے آٹھ ماہ قبل صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق کے نام تحریر کیا تھا۔ قبل ازیں اس خط کا متن فروری ۸۳ء کے میثاق میں شائع ہوا تھا۔ لیکن اس کے بعض حصے سنسر کی زد میں آجانے کے باعث قارئین کے سامنے بات صحیح طور سے نہ آسکی تھی۔ زیرِ نظر شمارے میں بطور ضمیمہ اُس خط کا مکمل متن شائع کیا جا رہا ہے۔

مزید برآں اس شمارے میں "تصریحات و توضیحات" کے عنوان کے تحت والدِ محترم کے دو وضاحتی بیان شائع کیے جا رہے ہیں ان میں سے پہلا وہ ہے جو انہوں نے دورۂ بلتستان سے واپسی پر اخبارات کو جاری کیا تھا۔ اس بیان کا

تعلق صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے اس انٹرویو سے ہے جو اوّلاً "عرب نیوز" میں شائع ہوا اور پھر روزنامہ جنگ نے اس کا پورا متن بھی شائع کیا۔ اور اس کے متعلقہ حصّے پر مبنی ایک خبر بھی صفحہ اوّل پر شائع کی۔ اُس انٹرویو میں والدِ محترم کے بارے میں جنرل صاحب نے کچھ اظہار رائے کیا تھا۔ اور ایک معیّن واقعے کا حوالہ بھی دیا تھا۔ لیکن چونکہ اس واقعے کی رپورٹنگ میں کچھ "خلافِ واقعہ" باتیں جنرل صاحب کی طرف منسوب تھیں۔ اس لیے مناسب خیال کیا گیا کہ امر واقعہ کی وضاحت ہو جائے۔ جنرل صاحب کے انٹرویو میں مسجد دارالسّلام باغ جناح لاہور کے تقریباً پونے تین سال قبل کے جس واقعے کا ذکر ہے، اس موقع پر جنرل صاحب سے خطاب کر کے جو باتیں والدِ محترم نے فرمائی تھیں خوش قسمتی سے وہ "میثاق" کے شمارہ بابت دسمبر ۱۹۸۰ء میں "خطاب بہ صدر مملکت" کے عنوان سے شائع ہو گئی تھیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے اسے بھی ضمیمہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔

متذکرہ بالا چیزوں کے شامل اشاعت ہو جانے کے باعث بعض مستقل مضامین اس ماہ شائع نہیں کیے جا رہے۔

■■

اعلانِ داخلہ: دارالعلوم جامعہ محمدی شریف میں فاضل عربی کی تیاری بڑے اہتمام کے ساتھ کرائی جا رہی ہے۔ جبکہ اس دارالعلوم میں پرائمری پاس طالب علم کو داخلہ دیا جاتا ہے علوم عربیہ کے ساتھ ساتھ بی۔ اے تک تعلیم دی جاتی ہے۔ البتہ فاضل عربی کی تدریس کا دارالعلوم ہذا کے نصاب سے جدا گانہ انتظام کیا گیا ہے۔

نوٹ: جامعہ ہذا میں علم دین کے طلباء کے لیے رہائش، خوراک اور تعلیمی وظائف وغیرہ کا ادارہ کی طرف سے مفت انتظام ہے۔

ناظم عمومی جامعہ محمدی شریف۔ جھنگ چنیوٹ روڈ ضلع جھنگ

تذکرہ و تبصرہ

پاکستان کی نئی سیاسی صورت حال
اور
اصلاحِ احوال کی تجویز

پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد

کے خطاب جمعہ (۲۶ راگست ۸۳ء) کی تلخیص

خطبۂ مسنونہ ــــ اور سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ اور سورہ انفال کی آیات ۲۴ تا ۲۶ کی تلاوت اور دعا کے بعد فرمایا :

معذرت

حضرات! گذشتہ جمعہ میں یہاں موجود نہیں تھا۔ بلکہ یہاں سے بہت دُور بلتستان کے ایک اہم شہر سکردو میں تھا۔ اس سلسلے میں مجھے آپ سے معذرت بھی کرنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۲ راگست کے جمعہ میں میں نے یہ اعلان نہیں کیا تھا کہ آئندہ جمعہ میں میں حاضر نہ ہوسکوں گا۔ لیکن یہ اعلان نہ کرنا کسی نسیان یا بھول کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ مجھے بلتستان جانا تھا۔ بلتستان کے مرکزی شہر اسکردو کے لیے پی۔ آئی۔ اے کی جو پرواز جاتی ہے وہ بالکل غیر یقینی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ دو دو ہفتہ فضائی سروس کا سلسلہ معطل رہتا ہے۔ اس لیے کچھ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ میں جا بھی سکوں گا یا نہیں۔ عین ممکن تھا کہ دو چار دن راولپنڈی میں انتظار کرتا اور اگر کوئی فلائٹ نہ ملتی تو پھر واپس آکر جمعہ یہیں

ادا کرتا۔ اس لیے میں نے اس کا پیشگی اعلان نہیں کیا تھا۔

بلتستان کے حالات

چونکہ ذکر آگیا ہے بلتستان کا تو چند جملوں میں بعض باتیں وہاں کی گوش گزار کردوں۔ آپ میں سے اکثر نے شاید بلتستان کا نام بھی نہ سنا ہوگا۔ اور اگر اس کے شہروں میں سے کسی کا نام سنا بھی ہے تو صرف سکردو کا۔ یہ اصل میں بہت دور دراز ایک وادی ہے جو کہ کشمیر کے شمال مشرق تک چلی گئی ہے اور لداخ کے ساتھ تک ملی ہوئی ہے۔ اس کے بہت ہی مخصوص حالات ہیں۔ خاص طور پر سُنّی شیعہ اختلاف والا معاملہ بہت ہی شدّت پر ہے۔ یہ ایک ایسا علاقہ ہے کہ یہاں پر شیعہ حضرات غالب اکثریت میں ہیں۔ اہلِ سنّت بہت کم ہیں۔ شاید آبادی کا دس بارہ فیصد ہوں۔ البتہ وہاں ایک درمیانی فرقہ ہے جو ایک صوفی بزرگ حضرت نوربخش رحؒ کی جانب منسوب ہونے کی بنا پر نوربخشی کہلاتا ہے۔ یہ سُنّی اور شیعہ حضرات کے بین بین ہے۔ بہرحال وہاں کے کچھ مخصوص حالات ہیں جن کا ذکر علی الاعلان مناسب نہیں۔

میں جب پچھلے سال وہاں جارہا تھا۔ تو بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں ایک عجیب کشمکش تھی۔ شیعہ حضرات کی جانب سے یہ اعلان کردیا گیا تھا کہ مجھے وہاں داخل نہ ہونے دیں گے۔ ایئرپورٹ پر ہی سے واپس جانے پر مجبور کردیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے حالات پیدا فرمائے کہ میرا وہاں کا دورہ بہت کامیاب رہا۔ اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ شیعہ سنّی اختلاف میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ اور وہاں کے ایک بہت بڑے شیعہ عالم نے میری تقریر کی بہت تعریف کی تھی۔ یہ معاملہ خپلو میں ہوا تھا۔ خپلو بلتستان کا قدیمی اور مرکزی شہر ہے۔ اس کے ساتھ تہذیب و ثقافت کا بھی مرکز ہے۔ اگرچہ انتظامی اعتبار سے اب اسکردو کی اہمیت زیادہ ہے۔

اس دفعہ اللہ کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ میں نے اسکردو میں آٹھ دس تقریریں کیں، ان میں درسِ قرآن، خطباتِ عام اور خطباتِ جمعہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک استقبالیہ بھی ہوا۔ اس کے بہت اچھے نتائج

برآمد ہوئے اور شیعہ حضرات نے کہا کہ اگر ایسا ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے تو ہمیں کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ اب وہاں کی فضا الحمد للہ بہت اچھی ہو گئی ہے۔ میری وہاں پر جو آخری رات تھی۔ اُس میں وہاں ایک ہوٹل میں استقبالیہ تھا۔ جس میں شہر کی انتظامیہ کے اعلیٰ افسران اور معروف شخصیتوں کے علاوہ اہلِ تشیع کے چوٹی کے رہنما بھی موجود تھے۔ اجتماع بڑے خوشگوار ماحول میں ہوا۔ مجھے اب شدّت سے احساس ہے کہ اگر ان مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے اور سیاسی اغراض و مقاصد سے بالاتر ہو کر بات کی جائے تو یہ ساری فرقہ واریت، جس کا افسانہ کچھ زیادہ ہی گھڑ لیا گیا ہے اُس میں خاصی کمی واقع ہو سکتی ہے۔ ان معاملات میں جلتی پر تیل کا کام سیاسی اغراض و مقاصد کرتے ہیں۔ جب کچھ سیاستدان اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے مذہب کو استعمال کرنا چاہتے ہیں تو وہ مذہبی اور فروعی اختلافات کو ہوا دیتے ہیں۔ اصل میں یہ سب مذاہب ہیں دین تو ایک ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہمیشہ دین ایک ہی رہا ہے۔ ہاں البتہ شریعت بدلتی رہی ہے۔ لیکن دینِ موسوی، دینِ عیسوی، دینِ نوح اور دینِ محمدیؐ میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح ہمارے ہاں جتنے بھی اختلافات ہیں وہ فقہی اور جزوی نوعیت کے ہیں۔ اگر وحدتِ دینی کا تصوّر ہو، تو ان اختلافات کی اہمیّت خود بخود کم ہو جائے گی اور یہ پس منظر میں چلے جائیں گے۔ مگر جب پیشِ نظر اپنی بھیڑوں کو جمع کرنا ہو، اپنی تعداد بڑھانی ہو اور آئندہ الیکشن کے لیے ووٹوں کا اہتمام کرنا مقصود ہو تو پھر ہوگا یہ کہ ان اختلافات اور تضادات کو نمایاں کیا جائے گا۔ اور اختلافات کو خوب اچھالا جائے گا۔

الحمد للہ! میرے ان دو دوروں سے وہاں کے حالات میں بہتری کی صورت پیدا ہوئی ہے اور ایک خوشگوار ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کیفیّت کو برقرار رکھے۔ اور مزید بہتری کے آثار پیدا فرمائے۔

ملکی حالات

میرا یہاں پچھلا جمعہ ۱۲ اگست کا تھا اس کے بعد اب تک جو دو ہفتے گذرے ہیں ان کے دوران میں دو نہایت اہم واقعات تو ملکی سطح پر رونما ہوئے ہیں اور ایک چھوٹا سا معاملہ اور بھی ہے جو اس مسجد اور میری ذات سے متعلق ہونے کی بنا پر قابل ذکر بن گیا ہے اگرچہ اپنی جگہ اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

ہمارے صدر مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ۱۲ اگست ہی کو جمعہ کی نماز کے بعد وفاقی کونسل عرف مجلس شوریٰ میں ایک مفصّل تقریر کی اور اس میں ایک سیاسی ڈھانچہ یا مستقبل کا دستوری خاکہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ اس کے ساتھ ہی ہم ایا ۱۵ اگست سے ایم۔آر۔ڈی کی سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی۔ وہ اگرچہ ملک گیر سطح پر ہوئی لیکن اس کا معاملہ تین صوبوں میں ایک پُرامن تحریک کا رہا صرف گرفتاریاں پیش کی گئیں۔ لیکن خاص طور پر اس تحریک نے صوبہ سندھ میں جو صورتِ حال اختیار کی وہ نہایت تشویشناک ہے۔ یہ صورت حال ہم سب کے لیے ایک بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے۔ ہم میں سے جو بھی دین و مذہب اور ملک و وطن سے محبت رکھتے ہیں ان سب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اس مسئلے کے حل کی طرف متوجہ ہوں۔

گزشتہ دس بارہ دنوں کے دوران میں جو صورت حال سندھ میں رونما ہوئی تھی اب اس میں کچھ کمی واقع ہو چکی ہے۔ ویسے تو خبریں ادلتی بدلتی رہتی ہیں اور حالات اونچ نیچ کی طرف رُخ کرتے رہتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی سندھ میں جو کچھ ہوا وہ اچھے اچھے صحافیوں، نامہ نگاروں اور تجزیہ نگاروں کی توقعات کے بالکل برعکس ہوا ہے۔ چنانچہ اخبارات کے تجزیے آپ نے بھی پڑھے ہوں گے۔ اسلام آباد سے ایک انگریزی اخبار مسلم کے نام سے شائع ہوتا ہے، اس نے جو تجزیہ کیا ہے، میرے نزدیک وہ سب سے بہتر ہے۔

سندھ کے حالات حکومت اور تجزیہ نگاروں کے لیے تو خلافِ توقع ہو سکتے ہیں لیکن میرے نزدیک یہ بالکل خلافِ توقع نہیں ہیں۔ میں نے

اس سے پہلے کئی دفعہ ان کی نشاندہی کی ہے۔ اور آج سے پورے آٹھ ماہ قبل میں نے جو خط صدر ضیاء الحق صاحب کو لکھا تھا، اس میں میں نے خاص طور پر ان کی توجہ سندھ کے ان حالات کی طرف مبذول کروائی تھی، بہر حال میں اس کا ذکر اس لیے نہیں کر رہا ہوں کہ اس میں میرے لیے خوشی کا کوئی پہلو ہے کہ میری پیشنگوئی درست اور تجزیہ صحیح ثابت ہوا۔ میرے لیے یہ صورت حال حد درجہ تشویشناک اور المناک ہے کہ میں اس کی بنا پر شدید صدمے کی سی کیفیت سے دوچار ہوں۔ البتہ ایک خیال ضرور آتا ہے اور وہ وہی جس کا قرآن مجید میں بعض رسولوں کے قول میں ذکر ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ اپنی قوموں کو جس عذاب کی خبر دیتے تھے جب وہ عذاب واقع ہوا تو انہوں نے حسرت کے ساتھ کہا، ہم تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کرتے رہے مگر تم اپنے خیر خواہوں اور بہی خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (الاعراف - ۷۹)" یعنی تمہیں ناصحین سے محبت نہیں۔ تم جانتے ہی نہیں کہ کون تمہارا خیر خواہ ہے اور کون بدخواہ۔" بہر حال یہ تجزیئے اور پیشین گوئیاں ایک طرف، اس وقت اصل ضرورت اس کی ہے کہ ہر پاکستانی اس کے حل کی طرف متوجہ ہو جائے۔ دوسری حقیقت جو بالکل عیاں ہے یہ ہے کہ سندھ میں جو کچھ ہوا وہ ایم آر ڈی کی عمومی تحریک کا مظہر نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر ایم۔ آر۔ ڈی کی تحریک کو سامنے رکھا جائے تو بقیہ تین صوبوں میں جو صورت حال سامنے آئی ہے، اسی کے لگ بھگ معاملہ سندھ کا بھی ہونا چاہیئے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں ایم۔ آر۔ ڈی کے علاوہ اس تحریک کے پیچھے تین طبقات اور ہیں جنہوں نے اس صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور ایم۔ آر۔ ڈی کی بحالیٔ جمہوریت کی تحریک کو تخریب کاری کا رنگ دے دیا ہے۔ ان میں اوّلاً کمیونسٹ عناصر ہیں جو عرصے سے منتظر تھے کہ انہیں کوئی موقع ملے کہ وہ اس ملک کے اساسی نظریات پر ضرب کاری لگا سکیں۔ چونکہ ان لوگوں کے بین الاقوامی تعلقات ہیں اور ان لوگوں کو اس بات کی

پوری ٹریننگ دی جاتی ہے کہ کس ملک میں کس نہج اور کس جہت سے کام کرنا چاہیئے۔ لہٰذا ان کو جونہی موقع ملا انہوں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

دوسرا عنصر سندھی قومیّت پرستی کا ہے۔ اس پر تفصیل سے گفتگو کرنے کا موقع تو نہیں ہے کہ اس کے اسباب و عوامل کیا ہیں۔ لیکن یہ بات جان لیجئے کہ سندھی نیشنلزم یا سندھو دیش کی تحریک اب بہت گہری ہو چکی ہے۔ سندھ کے قدیمی باشندے اور خصوصاً نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ اس سے بُری طرح متاثر ہو چکا ہے۔ اس کو سطحی بات سمجھنا بہت بڑا مغالطہ اور خود فریبی کا معاملہ ہو گا۔

تیسرا عامل ہمارا پڑوسی ملک بھارت ہے جس نے ہمارے وجود کو ذہناً و قلباً قطعاً قبول نہیں کیا۔ وہ ہمارے اساسی نظریہ کا دشمن ہے۔ ہم نے ان کے نظریہ کی تردید کر کے اس ملک کی بنیاد رکھی تھی۔ بھارت ماتا جو اُن کے لیے بڑی مقدس ہستی ہے، ہم نے اپنے نظریے کی بنا پر اس کے حصے بخرے کیے جس کی وجہ سے وہ ہمارے سخت دشمن ہیں۔ ان کے ایجنٹ ہمارے درمیان یقیناً موجود ہیں اور یہ نہ سمجھیئے کہ وہ صرف ہندوؤں میں ہیں ان کے ایجنٹ نام نہاد مسلمانوں میں بھی موجود ہیں۔ یوں تو ہر صوبہ میں کچھ نہ کچھ تعداد میں ہندو موجود ہیں مگر دو صوبوں بلوچستان اور سندھ میں دوسرے دو صوبوں کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ اور خاص طور پر صوبہ سندھ میں سرحد کے ساتھ ساتھ ان کے مضبوط مراکز یا گڑھ ہیں۔ سرحد کے قریب اس طرح کے گڑھ یا گڑھیاں ہونا ہمارے قومی وجود اور ملکی استحکام کے لیے شدید خطرہ کا باعث ہو سکتی ہیں۔

پاکستان میں رہنے والے ہندوؤں کے متعلق کونسا مسلمان نہیں جانتا کہ ان کی دلی کیفیات کیا ہوں گی۔ پاکستان کے نظریہ کو قبول کرنا ان کے لیے ناممکن ہے۔ نظریہ پاکستان ان کے مذہب، ان کے عقیدے، اور ان کی فکر سے بعید ہی نہیں بلکہ متضاد ہے۔

اس پہلو سے یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ ان تینوں عناصر نے مل کر یہ گڑبڑ پھیلائی ہے اور آج کے اخبارات میں آپ حضرات نے دیکھ لیا ہے کہ

ہندوستان کی پارلیمنٹ میں اس کا تذکرہ ہی نہیں ہوا مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اور ان کے وزیر خارجہ کی طرف سے ان واقعات پر بڑے محتاط انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ لیکن ان کا یہ تبصرہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ ان کی سوچ کس رُخ پر آگے بڑھ رہی ہے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے بھی اگر کوئی یہ کہے کہ حالات تشویشناک نہیں بلکہ افسوسناک ہیں تو وہ یا تو خود شدید مغالطہ میں مبتلا ہے یا عوام کو جان بوجھ کر دھوکہ میں رکھنا چاہتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ صورت حال ہمارے ملک اور دین دونوں کے لیے حد درجہ خطرناک اور تشویشناک ہے۔

اس صورت حال پر اگرچہ قابو پایا جا سکتا ہے اور فی الوقت یہ ہرگز مشکل نہیں ہے کہ موجودہ ایجی ٹیشن اور تخریب کاری کو کچل کر رکھ دیا جائے۔ بہر حال یہ ایک ملک کے اپنے صوبے کا معاملہ ہے۔ پھر یہ کہ جب فوج آتی ہے اور کسی کے امن و امان کی ذمہ داری سنبھالتی ہے تو کسی کے بس میں نہیں ہوتا کہ زیادہ دیر تک اس کا مقابلہ کر سکے۔ لہٰذا مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کو وقتی طور پر دبایا جا سکتا ہے اور آج کے ایک اخبار میں اس پر اداریہ بھی لکھا گیا ہے جس کا عنوان ہے "پہلے راؤنڈ کی فتح کے بعد" یعنی اس اخبار کے مدیر کے نزدیک اس پہلے راؤنڈ میں حکومت کو فتح حاصل ہو چکی ہے۔

یاد ہو گا کہ مشرقی پاکستان میں بھی فوج نے پہلے راؤنڈ میں ملکی حالات پر مکمل طور پر قابو پا لیا تھا اور سندھ کا معاملہ تو نسبتاً وہاں کے مقابلے میں بہت آسان ہے اس لیے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے زمینی طور پر ملحق نہ تھا۔ جبکہ سندھ کا قطعہ ہم سے ملا ہوا ہے اس لیے یہاں کسی بھی صورتِ حال سے نہایت آسانی سے نپٹا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک دوسری بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ اس طرح کے حالات تو ہر ملک میں ہوا ہی کرتے ہیں۔ آخر وہ کونسا بڑا ملک ہے جس میں اس قسم کے واقعات نہیں ہوتے۔ ہر ملک میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس کے بعض علاقے ترقی یافتہ ہوتے ہیں بعض اس کے برعکس پسماندہ ہوتے ہیں اور پسماندہ علاقوں

کو ترقی یافتہ علاقوں سے شکایت رہتی ہے - یہ ایک بالکل قدرتی بات ہے - خود ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان میں آئے دن یہ ہوتا رہتا ہے - کبھی جنوبی ہند میں بڑا طوفان اُٹھتا ہے اور کبھی دوسرے علاقے میں - کبھی شمال مشرقی کونے میں فسادات ہوتے ہیں، کبھی کسی اور گوشے میں اور ابھی حال ہی میں ہم سے ملحق بھارتی صوبہ پنجاب میں ایک طوفان اٹھا ہے لہٰذا ان واقعات کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھنے کی ضرورت نہیں -

ان دونوں باتوں کے علی الرغم میں اس بات کو دہرا رہا ہوں کہ ہمارے مخصوص حالات کے پیشِ نظر یہ واقعات بہت خطرناک ہیں اور کسی درجے میں ان کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرنا یا اس صورتِ حال سے صحیح معنی میں عہدہ برآ ہونے کی کوشش نہ کرنا ملکی بقا اور سالمیت کو شدید نقصان پہنچا سکتی ہے -

اس ضمن میں مَیں آپ کی توجّہ دو اہم اور اساسی امور کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں - اوّل یہ کہ ہمارا ملک ایک نظریاتی ملک ہے اس کی نظریاتی جڑوں پر اگر کوئی وار ہو اور وہ کاری بھی ہو تو یہ اس کے لیے نہایت مہلک ثابت ہوگا - جب کہ ہندوستان ایک نظریاتی ملک نہیں ہے - وہ خالص جغرافیائی ملک ہے - وہاں نظریہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے - ہمارا معاملہ ہندوستان سے بہت مختلف ہے - اس لیے اگر کوئی معاملہ خواہ وہ حجم کے اعتبار سے بالکل چھوٹا ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ ہمارے نظریئے پر ضرب لگاتا ہو تو ہمارے لیے نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک اور تشویشناک ہوگا - حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ برِّصغیر پاک و ہند میں جس صوبے کو مولد و مسکن ہونے کی حیثیت حاصل تھی یعنی مسلم بنگال جہاں مسلم لیگ قائم ہوئی اور پلی بڑھی، جہاں طویل ترین عرصے تک اُس کی وزارت قائم رہی اور جو گویا نظریہ پاکستان کا سب سے بڑا علمبردار تھا سب سے پہلے اسی صوبے نے اس نظریہ سے دستبرداری اختیار کی وہ ہم سے علیحدہ ہوا - اس معاملے میں اس سے قطع نظر کہ اس میں کس کی غلطی کتنی تھی اس لیے کہ یہ معاملہ تفصیلی بحث چاہتا ہے مگر نتیجہ جو نکلا وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے وہی مسلم بنگال تھا جس نے نظریہ پاکستان سے دستبرداری اختیار کی - یہ میں اس بنا پر کہہ رہا ہوں

کہ اگر وہ ہم سے صرف الگ ہوتا اور مشرقی پاکستان کے نام کو برقرار رکھتا تو بات مختلف ہوتی۔ ہمارے خلاف ان کو اگر کچھ شکایات تھیں اور وہ ہم سے شاکی تھے کہ ہم نے ان کے حقوق غصب کر لیے ہیں تو یہ ایسا انوکھا معاملہ نہیں تھا۔ یہ تو بعض دفعہ دو حقیقی بھائیوں کے درمیان بھی ہوجاتا ہے لیکن اس کی وجہ سے ان کے تعلقات ختم نہیں ہوجاتے۔ ہاں علیحدگی ہوجاتی ہے الگ گھر بنا لیتے ہیں لیکن وہ اپنے بھائی ہونے کی نسبت کو ختم نہیں کرتے۔ وہ نسبت برقرار رہتی ہے۔ مشرقی پاکستان والوں نے اگر صرف علیحدگی اختیار کی ہوتی تو میں ہرگز یہ نہ کہتا کہ انہوں نے نظریہ پاکستان سے علیحدگی اختیار کی۔ لیکن انہوں نے پاکستان کا نام تج دیا اور اپنا نیا نام لسانی یا وطنی قومیت کی بنیاد پر رکھا یعنی "بنگلہ دیش"، واضح رہے کہ "اسم علم" بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ میں نے بارہا عرض کیا ہے کہ بحمد اللہ ہمارا ملک وہ ہے جس کے نام میں جزو لاینفک کے طور پر اسلام موجود ہے۔ یہ "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے۔ اسی طرح موریطانیہ کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے نام کے اندر اسلام کو داخل کیا ہے۔ ان دو کے علاوہ پوری دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں کہ اس نے اپنے نام میں اسلام کو شامل کیا ہوا ہے۔ اس نام کی اہمیت کا اندازہ اس مثال سے لگا لیجئے کہ اگر دو افراد مل کر ایک نام سے کوئی کاروبار شروع کرتے ہیں تو جب ان کے علیحدہ ہونے کی نوبت آتی ہے تو جھگڑتے ہیں کہ اس نام کو کون استعمال کرے گا اور اس قضیہ کو پھر اس طرح چکایا جاتا ہے کہ اس نام کی قیمت مقرر کی جاتی ہے۔ اگر مشرقی پاکستان کے بھائی ہم سے اس بات پر جھگڑتے کہ اس نام پر ہمارا زیادہ حق ہے تو ہمیں خوشی ہوتی کہ انہوں نے اس نظریہ کے ساتھ قلبی اور ذہنی لگاؤ کا ثبوت دیا۔ مگر یہاں اس کے بالکل برعکس ہوا کہ انہوں نے اس کو دمڑی کے برابر بھی نہیں سمجھا اور نہایت نفرت کے ساتھ اٹھا کر دُور پھینک دیا۔ اب حالات کی مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ اس بچے کھچے پاکستان، جس کو حقیقت میں "مغربی پاکستان" کہنا چاہیئے، میں صوبہ سندھ، وہ واحد صوبہ ہے جس میں مسلم لیگی وزارت قائم ہوئی۔ یہ صوبہ موجودہ پاکستان میں مسلم لیگ کا گڑھ

تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو یہ امتیازی فخر حاصل ہے کہ یہ بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کی جائے پیدائش ہے۔ آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسی صوبہ میں اس مملکت کی نظریات کی جڑوں پر کاری ضرب لگائی جا رہی ہے۔ تو یہ میرے نزدیک انتہائی خوفناک معاملہ ہے۔ اس پر یہ کہہ کر مطمئن ہو جانا کہ یہ مٹھی بھر لوگوں کی کارگذاری ہے شترمرغ کے روائتی انداز سے کسی طرح مختلف نہیں ہے۔ پچاس پچاس ہزار افراد باہر نکل آئے یہ مٹھی بھر لوگ نہیں ہو سکتے۔ یہ بات اب پوری طرح سامنے آچکی ہے کہ سندھی زمیندار اور وڈیرے خود اس تحریک کی سرپرستی ہی نہیں باضابطہ سربراہی کر رہے ہیں۔ ممتاز بھٹو صاحب کا یہ کہنا کہ ہر سندھی نوجوان کے دل پر "سندھو دیش" کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں یکسر غلط نہیں ہے

دوسرے یہ کہ ہندوستان کے مقابلے میں ہمارے جغرافیائی حالات بہت مختلف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے چاروں کے چاروں صوبے "سرحدی" ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ موجودہ پاکستان چار صوبوں اور چند "متنازعہ" علاقوں پر مشتمل ہے۔

متنازعہ علاقے ہمارے ملک کا حصہ ہیں۔ چنانچہ پورا کشمیر بھی ہمارا ہے اور بلتستان اور گلگت، وغیرہ بھی ہمارے ہیں۔ تاہم بین الاقوامی سطح پر ہم نے ان کو متنازعہ تسلیم کیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ وفاقی کونسل میں بھی ان علاقوں سے صرف "مبصرین" نامزد کیے گئے ہیں۔

اب ذرا آپ ان چاروں صوبوں کا جائزہ لیں گے تو دیکھیں گے کہ دو صوبے مشرقی سرحد سے ملے ہوئے ہیں اور دو مغربی سرحد سے ملحق ہیں۔ کوئی صوبہ بھی ایسا نہیں کہ جس کو آپ سرحدی صوبہ نہ کہہ سکیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ قدیم ناموں کو برقرار رکھنے کی بنا پر ان میں سے صرف ایک صوبے کو سرحدی صوبہ کہتے ہیں۔ یعنی شمال مغربی سرحدی صوبہ۔ حالانکہ یہاں تو ہر صوبہ سرحدی صوبہ ہے۔ ہندوستان کا معاملہ یہ ہے کہ وہاں اگر بیک وقت دو چار صوبوں میں جھگڑے اور مظاہرے چل رہے ہوں تو بھی کوئی تشویش کی بات نہیں کیونکہ ایک

تو وہ بہت بڑا ملک ہے اور اس کے صوبوں (ریاستوں) کی تعداد بیس سے بھی متجاوز ہے۔ دوسرے اس کے اکثر صوبوں کی سرحدیں دشمن ملک سے نہیں ملتیں جبکہ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ دو صوبوں کے ساتھ افغانستان ہے جہاں پر اصلاً روس کی حکومت ہے اور دو صوبوں کی سرحدیں ہندوستان سے ملحق ہیں جو ہمارا پیدائشی دشمن ہے۔ اس اعتبار سے ہمارے یہاں کا ایک معمولی واقعہ بھی نہایت اہمیت اور دُوررس نتائج کا حامل بن جاتا ہے۔

الغرض یہ دو اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم اپنے ملک کے حالات و واقعات کی تشویشناکی کے حجم اور طول و عرض کو عام پیمانوں سے نہیں ناپ سکتے۔ گویا جو کچھ ان دنوں ہمارے صوبہ سندھ میں ہوا ہے اُس سے کئی گنا زیادہ سنگین واقعات اگر بھارت کے کسی صوبے میں رونما ہوتے تو بھی وہ اتنے تشویشناک نہ ہوتے جتنے کہ سندھ کے حالیہ واقعات ہمارے لیے ہیں۔

جب صورتِ حال کی سنگینی واضح ہو گئی تو اب آئیے مسئلہ کے حل کی طرف!

اس سلسلے میں ظاہر ہے کہ دو اعتبارات سے غور کرنا ہو گا۔ ایک یہ کہ اس صورتِ حال کا اصل اور اساسی سبب کیا ہے اور اس کا مستقل اور دیرپا حل کیا ہے؟ اور دوسرے یہ کہ وہ ہنگامی اسباب کیا ہیں جنہوں نے صورتِ حال کو فوری طور پر اس درجہ تشویشناک بنا دیا ہے اور ان کے تدارک کے لیے فوری اقدامات کرنے ضروری ہیں؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہر بیماری کے کچھ اسباب بنیادی ہوتے ہیں اور کچھ فوری۔ اسی طرح علاج کے ضمن میں ایک تو اصل مرض کے ازالے کے لیے دیرپا تدابیر ہوتی ہیں اور دوسرے فوری آرام اور تسکین کے لیے زود اثر ادویات کا استعمال۔

جس صورتِ حال سے ہم اس وقت دوچار ہیں اس کے ضمن میں بھی ایک بحث تو یہ ہے کہ اس کا اصل سبب کیا ہے اور مستقل حل کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور دوسرے یہ کہ جو ہنگامہ خیز صورت وجود میں آ چکی ہے، اس کے فوری انسداد کے لیے کیا اقدامات کیے جانے چاہئیں۔ جہاں تک ہماری مشکلات کے اصل سبب اور ان کے مستقل حل کا تعلق ہے، اس موضوع پر میں نے اس سے قبل

متعدد بار اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہاں آپ کے سامنے ان اجتماعات میں بھی اور پاکستان کے طول وعرض میں تمام قابل ذکر شہروں میں بھی — اس وقت میں اس کا لب لباب عرض کروں تو وہ بھی دو سطحوں میں ہوگا۔ ایک یہ کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا لیکن اس کے قیام کے بعد نہ صرف یہ کہ اُس نظریہ کی طرف عملی پیش قدمی نہیں ہوئی بلکہ اس کے برعکس مخالف نظریات کو فروغ حاصل ہوا اور نجی اور سرکاری دونوں سطحوں پر ان کی پشت پناہی ہوئی۔ اس کا جو منطقی نتیجہ برآمد ہونا چاہیئے تھا وہ ہو کر رہا یعنی یہ کہ پہلے یہ دو لخت ہوا اور چونکہ اس کے بعد بھی صورتِ حال میں کوئی حقیقی اور واقعی تبدیلی نہیں آئی۔ لہٰذا وہی عمل ہے جو مزید گمبھیر شکل اختیار کر رہا ہے، اور بچے کھچے پاکستان میں بھی شکست و ریخت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ اگر کوئی ملک وطنی قومیت پر قائم ہو تو وطن پرستی کا جذبہ ہی اس کو سہارا دے گا اور اگر کوئی ملک لسانی قومیت کی بنیاد پر وجود میں آیا ہو تو وہ لسانی قومیت ہی اس کو سہارا دے گی۔ لیکن پاکستان کے لیے کوئی ایسا سہارا موجود نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد ایک نظریہ پر ہے اور چونکہ اس کی طرف پیش رفت نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس کے منطقی نتائج پیدا ہو کر رہے۔ آج سے بارہ سال پہلے اس کے اساسی نظریے کی تردید سابقہ مشرقی پاکستان میں ہو چکی ہے۔ اس وقت بھارتی لیڈروں نے علی الاعلان کہا کہ نظریۂ پاکستان ختم ہو چکا ہے اور ہم نے ایک ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا لیا ہے — اس وقت جو صورتِ حال سندھ میں پیش آئی ہے وہ بھی اسی عمل کا ارتقا ہے یا اُسی حادثۂ مشرقی پاکستان کی صدائے بازگشت!

لیکن اگر آپ ذرا گہرائی میں اُتر کر دیکھیں گے تو ایک اور بات جو آپ کے سامنے آئے گی وہ یہ ہے کہ ہمارا معاملہ براہِ راست اللہ کے ساتھ ہے۔ ہم نے اس ملک کا مطالبہ اس نعرے کے ساتھ کیا تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالٰہ الا اللہ" گویا کہ ہم نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اے اللہ اگر تو ہم کو یہ ملک عطا فرما دے تو ہم اس میں تیرا قانون نافذ کریں گے۔ اور تیرے دین حق کا بول بالا

کریں گے۔ اب یہ جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے کہ جب کوئی قوم ایسا وعدہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور موقع عنایت فرماتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ بمصداق الفاظ قرآنی "فَنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ" اس طرح ان پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پھر اگر وہ وعدہ خلافی کرتے ہیں تو اس کی نقد سزا اسی دنیا میں دی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں سورۂ توبہ میں ذکر ہے کہ کچھ لوگوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ہم کو دولت عطا فرما۔ اگر تو نے ہمیں دولت دی تو ہم تیری راہ میں خوب خرچ کریں گے۔ اور صدقہ وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دولت عطا فرما دی اور اپنے فضل سے نواز دیا تو انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور بخل کرنے لگے۔ اس پر سورہ توبہ کی آیت نمبر ۷۷ میں فرمایا:

" فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝

(ترجمہ) " اللہ تعالیٰ نے اس کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا جو اس دن تک ان کے دلوں میں برقرار رہے گا جب وہ اللہ سے ملاقات کریں گے۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اس وعدہ کی خلاف ورزی کی جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا!"۔

ہم ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو صاف نظر آجائے گا کہ بالکل یہی معاملہ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے کہ ۳۶ سال گزر گئے اور ہم وہیں کھڑے ہیں جہاں سے ہم نے سفر کا آغاز کیا تھا بلکہ اب تو حال یہ ہے کہ منزل کا نشان بھی نظروں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔ اسلام سے مایوسی بڑھتی جا رہی ہے۔ کچھ عرصہ قبل ہمارے یہاں ایک ایسی حکومت آئی تھی جس نے سوشلزم کو بدنام کیا اور اس کے بعد کے عرصے میں ہم نے اسلام کے نام کو بدنام کر کے رکھ دیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب کا ایک شدید کوڑا ہماری پیٹھ پر ۱۹۷۱ء میں برس چکا ہے۔ اب بھی ہمارا طرز عمل یہی رہا تو اس کے ویسے ہی نتائج سامنے آئیں گے۔ اس لیے کہ جیسے کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں ہمارا معاملہ

براہِ راست اللہ کے ساتھ ہے۔ ہم نے اُس سے کچھ وعدے کیے تھے۔ پھر ہم نے ان کی خلاف ورزی کی اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ کسی فردِ واحد کا معاملہ نہیں ہے بلکہ پوری قوم اپنے تمام طبقات سمیت اس جرم میں شریک ہے۔ مختلف افراد اور گروہوں اور اداروں نے اس میں سے اپنے اپنے حصّے کا گناہ کمایا ہے۔ اِس جرم کی سزا کے طور پر ہم پر جو پہلا کوڑا آج سے بارہ برس قبل پڑا تھا، وہ اتنا شدید تھا کہ ہمارے ایک لاکھ کڑیل جوان قیدی بنے۔ اتنی بڑی شکست اور وہ بھی ہندوؤں کے ہاتھوں جن پر ہم نے ایک ہزار سال حکومت کی ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کی گردن کٹی۔ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا سینہ چھلنی ہوا۔ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کی عزت و ناموس کی دھجیاں اڑیں۔ میرے نزدیک اُس عذابِ خداوندی کا یہ سب سے زیادہ تلخ پہلو ہے! قرآن حکیم میں مذکور ہے کہ عذابِ خداوندی کبھی اوپر سے آتا ہے اور کبھی قدموں تلے سے اور ایک تیسری صورت یہ بھی ہے کہ "وہ تم کو گروہوں میں تقسیم کر دے اور آپس میں لڑا دے اور ایک دوسرے کی طاقت کا مزا چکھائے۔ (اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ) اور یہ تیسری صورت پہلے دونوں عذابوں کے مقابلے میں شدید تر ہے۔ یہ شکل بنگلہ دیش میں پیش آچکی ہے۔ میں یہاں ذکر کر دوں کہ اللہ کا شکر ہے کہ تاحال سندھ میں نئے اور پرانے سندھیوں کے درمیان فساد کی صورت پیدا نہیں ہوئی اور ابھی تک معاملہ قدیم سندھیوں اور حکومت وقت کے مابین ہی ہے۔ لیکن نہ معلوم یہ صورت حال کب ختم ہو جائے۔ اس کے لیے بہت احتیاط اور ہوشمندی کی ضرورت ہے کہ کہیں غلطی سے کوئی ایسا اقدام نہ ہو جائے جس سے قدیم اور جدید سندھیوں یعنی سندھیوں اور مہاجروں یا سندھیوں اور پنجابی آبادکاروں کے مابین تصادم کی صورت پیدا ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو پھر اس کے بہت تلخ نتائج برآمد ہوں گے۔

بہرحال اگر ہم نے اپنی روش نہ بدلی اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کیا تو یاد رکھیے قرآن حکیم کا ارشاد ہے: (عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ

عُدْتُّمْ عُدْنَا" یعنی" تمہارا رب اب بھی تم پر رحم کرنے کے لیے آمادہ ہے۔ وہ تم کو اپنے دامانِ رحمت میں لے لینا چاہتا ہے۔ لیکن اگر تم نے پھر وہی کیا جو اس سے پہلے کر چکے ہو تو پھر ہم بھی وہی کریں گے جو پہلے کر چکے ہیں"۔ یعنی۔ ہم پہلے بھی سزا دے چکے ہیں اور دوبارہ پھر دیں گے۔ کیونکہ" لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَحْوِيلًا"۔ اور" لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَبْدِيلًا"۔ اللہ کا قانون نہیں بدلے گا۔ ہاں بچاؤ کی ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ تم اپنی روش بدل لو" إِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ"

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!"

اگر تم اپنی حالت بدل لو گے تو پھر ہم بھی اپنے معاملے کو بدل لیں گے — اور ہماری رحمت تمہیں اپنے سائے میں لے لے گی!۔

اس موقع پر بے اختیار میرا ذہن منتقل ہو گیا ہے اس واقعے کی جانب کہ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد جب بھٹو صاحب ماسکو گئے تھے تو وہاں وزیر اعظم کوسیجن نے استقبالیے میں تقریر کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے کہ جو کچھ ہم نے مشرقی پاکستان میں کیا، اس پر ہمیں کوئی ندامت نہیں ہے اور اگر دوبارہ وہی حالات پیدا ہو گئے تو ہم پھر وہی کریں گے جو مشرقی پاکستان میں کر چکے ہیں"۔ گویا کہ ہمارے لیے معاملہ بیک وقت آسمانی بھی ہے اور زمینی بھی، اللہ کا بھی ہے اور انسانوں کا بھی۔ چنانچہ ایک جانب ہم عذابِ خداوندی کے ازلی و ابدی قانون کی زد میں ہیں۔ دوسری جانب ایک سپر پاور کی واضح اور صریح دھمکیوں کی زد میں ہیں جس کی سرحدیں اب ہم سے براہِ راست ملحق ہو چکی ہیں۔

ہمارے اس اساسی مسئلے کا اصل اور پائیدار حل یا بالفاظ دیگر عذابِ خداوندی کو ٹالنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے اپنی سابقہ روش پر حقیقی پشیمانی کے ساتھ اللہ کی جناب میں رجوع اور صدقِ دل سے توبہ، تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ عہد۔ یہ کام افراد اپنی اپنی جگہ کریں اور پوری قوم من حیث القوم کرے۔ تب ہی امید کی جا سکتی ہے کہ رحمتِ خداوندی ہماری جانب متوجہ ہو اور ہمیں از سر نو قومی

یک جہتی اور ملکی استحکام کی نعمتیں میسّر آجائیں — اور جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کرچکا ہوں یہ تشخیص و تجویز میں نے پاکستان کے طول و عرض میں اپنے دوروں کے دوران تقریروں اور خطابات عام میں بارہا پیش کی ہے۔ اور یہی وہ مقصد ہے جس کے حصول کے لیے میں نے پہلے مرکزی انجمن خدام القرآن قائم کی اور بعد ازاں تنظیم اسلامی قائم کی۔ اگر آپ نے تنظیم اسلامی کی دعوت پر کبھی غور کیا ہو اور اس کے اساسی لٹریچر کو کبھی دیکھا اور پڑھا ہو تو آپ کے علم میں لازماً ہوگا کہ اس کی اساسی دعوت "تجدید ایمان۔ توبہ اور تجدید عہد" کی دعوت ہے۔ ہمارا اصل اور بنیادی پیغام یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی از سرِ نو تجدید کرو اور اپنی سابقہ کوتاہیوں پر صدق دل سے معافی مانگو تو کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے اور ہمارے شخصی، قومی اور ملکی حالات صحیح نہج اختیار کرلیں۔ بقول جگر مراد آبادی ؎

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

فوری اقدام

اس مستقل اور بنیادی تشخیص و تجویز کے ساتھ ساتھ اس وقت ہم جس فوری اور ہنگامی صورتِ حال سے دوچار ہوگئے ہیں اس کی سنگینی کو ختم کرنے کے لیے فوری اقدامات کے ضمن میں بھی ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں — اور اسی غرض سے آج کے اس اجتماع میں میرے اس خط کی مفصّل مطبوعہ نقول تقسیم کی گئی ہیں جو میں نے آج سے پورے آٹھ ماہ قبل (۷/ دسمبر ۱۹۸۲ء کو) صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو ارسال کیا تھا۔ اس سے خدارا یہ تأثر ہرگز نہ لیا جائے کہ میں کسی سیاسی مہم کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں یہ تجویز اس لیے ہرگز پیش نہیں کر رہا ہوں کہ مجھے کوئی سیاسی قدم اٹھانا ہے۔ یہ بات نہ پہلے کبھی میرے حاشیۂ خیال میں آئی اور نہ آج اس کا کوئی امکان ہے۔ اس اجتماع میں اس خط کو پیش کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ اجتماعِ جمعہ ہی میرے رابطۂ عوام کا واحد ذریعہ ہے جہاں بحمد اللہ ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، سیاسی ذہن رکھنے والے لوگ بھی آتے ہیں،

اور خالص مذہبی مزاج کے حامل لوگ بھی آتے ہیں۔ اسی طرح حکومت کے حامی اور مؤید بھی آتے ہیں اور مخالفانہ ذہن رکھنے والے بھی آتے ہیں۔ پھر کچھ ایسے حضرات بھی آتے ہیں جن کی رسائی ایوانِ حکومت تک ہے۔ اسی لیے میں اس مجمع میں یہ تجاویز پیش کر رہا ہوں تاکہ اگر آپ اس کو صحیح سمجھیں اور اس سے اتفاق کریں تو پھر امکانی حد تک اس کو پھیلائیں۔ اور عام کریں اور نہ صرف حکومت کے ذمہ دار لوگوں تک پہنچائیں بلکہ اربابِ سیاست اور مختلف سیاسی جماعتوں کے اہم لوگوں تک بھی پہنچائیں۔ یہ خط آپ کے سامنے موجود ہے۔ اس کے چار حصے ہیں پہلے حصے میں میں نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ میں عام مروجہ معنی میں ہرگز سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میرے نزدیک کوئی باشعور مسلمان خالص غیر سیاسی نہیں ہو سکتا۔ بظاہر اس میں ایک تضاد محسوس ہوتا ہے لیکن اس کا سیدھا اور صاف حل یہ ہے کہ ایک ہے انتخابی سیاست جس کا مقصد حصولِ اقتدار ہوتا ہے تو چونکہ میں اس حتمی اور قطعی نتیجے تک پہنچ چکا ہوں کہ موجودہ حالات میں اس کے ذریعے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا اس کو تو میں نے اپنے لیے ممنوعِ محض (OUT OF BOUNDS) قرار دے لیا ہے۔ چنانچہ جماعتِ اسلامی سے میری علیحدگی بھی اسی بنیاد پر ہوئی تھی۔ اور میں نے جو جماعت قائم کی ہے، اس نے بھی یہ طے کر لیا ہے کہ وہ اس انتخابی سیاست میں کبھی حصہ نہیں لے گی۔ لیکن ملک و ملت کے مسائل پر غور کرنا، ملکی حالات کا مطالعہ کرنا مشاہدہ کھلے ذہن اور کھلی آنکھوں سے کرنا اور ان پر اپنی رائے دینا ہر ایک شہری کا فرض ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اپنی ذمہ داری کی ادائیگی سے کوتاہی کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب میں نے وفاقی کونسل عرف مجلس شوریٰ سے استعفیٰ دیا تو صدر صاحب سے یہی کہا تھا کہ جب میں مروجہ معنی میں سیاسی آدمی نہیں ہوں اور مجلس شوریٰ کو آپ نے سیاسی عمل کا نقطۂ آغاز قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا اب میں اس کا رکن نہیں رہ سکتا ـــ البتہ عوام اور حکام دونوں کے غلط کاموں پر تنقید اور دونوں کی اپنی صوابدید کے مطابق رہنمائی اور مخلصانہ اور خیر خواہانہ مشورہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ از روئے فرمانِ نبویؐ الدّین

النصیحة"، یعنی "دین تو نام ہی نصح و اخلاص اور خیر خواہی و وفاداری کا ہے"
اور جب پوچھا گیا "لمن یا رسول اللہ؟" یعنی "حضور! کس کے ساتھ؟"
تو ارشاد ہوا "للہ ولکتبہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم"
یعنی "اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص و وفاداری
اور مسلمانوں کے اولوالامر اور عوام دونوں کے ساتھ نصح و خیر خواہی!"

یہی وجہ ہے کہ جب بھی ضرورت ہوئی، میں نے پورے اخلاص و خلوص کے ساتھ رائے دی ہے اور ہر ممکن ذریعے سے اپنا مشورہ بلند ترین سطح تک پہنچانے کی کوشش کی ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہمیشہ سے یہ ہوتا چلا آ رہا ہے کہ حقیقی خیر خواہوں اور بہی خواہوں کی بات پر توجہ نہیں دی جاتی۔ بفحوائے الفاظ قرآنی: "وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ"، خاص طور پر وہ لوگ جو اقتدار کی کرسی پر متمکن ہو گئے ہوں۔ انہیں عموماً "ناصحین" اچھے نہیں لگتے بلکہ چاپلوسی کرنے والے پسند آتے ہیں اور اکثر و بیشتر ایسے ہی لوگ صاحبِ اقتدار لوگوں کا قرب حاصل کرتے ہیں جن کو خوشامد اور چاپلوسی کے فن میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں آج کل کچھ ایسی ہی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔

اِس خط کے دوسرے حصے میں میں نے لکھا ہے کہ جہاں تک اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا معاملہ ہے، اس کے ضمن میں میں آپ سے قطعاً مایوس ہو چکا ہوں۔ آپ نے اس سلسلے میں جتنے اقدامات کیے ہیں، وہ سب نیم دلانہ اقدامات ہیں اور وہ بھی چونکہ اصل وقت گزرنے کے بعد کیے گئے ہیں، لہذا مخالفانہ ردّ عمل ان کی راہ کی رکاوٹ بن گیا۔

تحریک نظامِ مصطفےٰ نے لوگوں میں جو جوش و خروش پیدا کر دیا تھا اگر اس کے فوراً بعد بڑے سے بڑا اقدام بھی اٹھایا جاتا تو کسی کو اس کی راہ میں مزاحم ہونے کی ہرگز جرأت نہ ہوتی۔ میں نے اگست ۸۰ء میں منعقدہ علماء کنونشن میں اپنی تقریر میں بھی یہ بات کہی تھی کہ صاحبِ صدر! آپ نے بھی وہی غلطی کی ہے جو پاکستان میں برسرِ اقتدار آنے والی پہلی ٹیم نے کی تھی۔ جب پاکستان نیا نیا بنا تھا، اس وقت بھی عوام میں ایسا جذبہ موجود تھا کہ بڑے سے بڑا قدم اٹھایا جا سکتا

تھا اور کسی کو چوں کرنے کی جرأت نہیں تھی مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا جذبہ سرد ہوتا چلا گیا اور فتنے کھڑے ہوتے چلے گئے۔ اور بالخصوص فروعی و فقہی اختلافات نفاذِ اسلام کی راہ کا سب سے بڑا پتھر بن گئے کہ کس کا اسلام نافذ کیا جائے شیعہ کا یا سُنّی کا؟ حنفی کا یا وہابی کا؟ . . . !! اب آپ نے جو چند اقدامات کیے ہیں اوّلاً تو ان میں ترجیحات درست نہیں ہیں۔ دوسرے توازن موجود نہیں ہے۔ یہ معاملہ کسی طرح درست نہیں ہے کہ ایک طرف آپ زنا کی حد جاری کریں اور دوسری طرف ستر و حجاب کے احکام نافذ نہ کریں تو میرے نزدیک یہ دین پر بھی ظلم ہے اور لوگوں پر بھی۔ میں یہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ دین ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کے مابین نہ تجزیہ درست ہے نہ تفریق۔ فرمان خداوندی "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" کے مطابق آپ کو کُل کا کُل دین قبول کرنا ہوگا۔ اگر آپ اس کے حصّے کریں گے تو یہ بات "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ" کے مصداق بالکل غلط اور عنداللہ اور عندالناس قطعاً ناقابل قبول ہوگی۔

اسی طرح آپ نے شرعی عدالت تو قائم کی لیکن اس کے ہاتھ باندھ دیئے کہ وہ عائلی قوانین کے متعلق کوئی رائے نہیں دے سکتی۔ گویا کہ وہ کوئی نہایت مقدس دستاویز (SACRED DOCUMENT) ہے۔ آپ اپنے ہی منتخب شدہ علماء اور جج حضرات کو یہ حق نہیں دے رہے ہیں کہ وہ یہ غور کریں کہ ان قوانین کی کوئی شق خلافِ شریعت تو نہیں۔ ابھی حال ہی میں ایک مزید تضاد سامنے آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاشرے میں خواتین کے مقام اور مرتبے کے تعین کے بارے میں حکومت کی رہنمائی کے لیے ایک کمیشن قائم کیا گیا ہے جس میں تیرہ تو بیگمات ہیں جن کے نظریات و رجحانات سے ہم سب بخوبی واقف ہیں اور مردوں میں سے صرف تین شامل کیے گئے ہیں جن میں سے ایک خالد اسحٰق ہیں دوسرے پروفیسر کرار حسین اور تیسرے جناب زیڈ اے ہاشمی۔ گویا کہ یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ خواتین کے معاملے میں علماء سرے سے کوئی رہنمائی دے ہی نہیں سکتے یا یہ کہ ان کی رہنمائی سرے سے ناقابلِ قبول ہے۔ اس ضمن

ہیں میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ آپ میری بات مانیں اور میرے نظریات پر عمل پیرا ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو مولانا محمد مالک کاندھلوی، مفتی محمد حسین نعیمی، پیر سید کرم شاہ، مولانا تقی عثمانی وغیرہم پر بھی کوئی اعتماد نہیں کہ وہ ازروئے اسلام معاشرے میں خواتین کے کردار کے ضمن میں کوئی رہنمائی فراہم کرسکیں۔ الغرض —— یہ ہیں وہ تضادات جن کے باعث موجودہ حکومت کا نفاذِ اسلام کا پورا عمل غیر مؤثر ہی نہیں ہوا بلکہ اُلٹے نتائج برپا کر رہا ہے۔ یعنی یہ کہ عوامی سطح پر اسلام بدنام ہو رہا ہے۔

اب اس خط کے تیسرے حصے پہ نظر ڈالیں اور ان الفاظ کو غور سے پڑھیں۔

"تاہم پاکستان کی بقا اور اس کے استحکام کے ضمن میں ایک مشورہ بھی آپ کی خدمت میں ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں اور اصلاً اسی کے لیے یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں چونکہ مجھے اپنے ذاتی مشاہدات و معلومات

اور حالات کے تجزیے اور جائزے سے شدید اندیشہ لاحق ہے کہ مستقبل کا مؤرخ کہیں یہ نہ کہے کہ "۱۹۴۷ء میں پاکستان کے نام سے مسلمانوں کی جو عظیم ترین مملکت وجود میں آئی تھی اُسے اوّلاً تو ۱۹۷۱ء میں دولخت کیا ایک شرابی اور زانی ٹولے نے اور پھر اس کے مزید ٹکڑے ہونے (BALKANISATION) کا حادثہ رونما ہوا ایک پابندِ صوم وصلوٰۃ اور دین دار اور پرہیزگار شخص کے ہاتھوں!!" معاذ اللہ!! ثمّ معاذ اللہ!!!"

میں نے ۱۸ اگست ۸۰ء کو علیحدگی میں بھی صدر صاحب سے یہی بات کہی

تھی کہ آپ نے ملک میں سیاسی عمل کو جس طرح بالکل معطل کر کے رکھ دیا ہے، یہ خوفناک نتائج پیدا کرے گا۔ آپ کے ذہن میں مستقبل کے لیے جو بھی نقشہ اور خاکہ ہے، اس کو عوام کے سامنے لائیں اور اس پر ریفرنڈم کرالیں یا ۷۳ء ہی کے دستور کے تحت غیر جماعتی بنیاد پر الیکشن کرا کے سول حکومت کو بحال کر دیں۔ بہرصورت تعطل محض ایک تخریبی ذہن پیدا کرنے والی چیز ہے بالکل ایسے جیسے پانی کا بہاؤ اگر روک دیا جائے تو وہ کسی نہ کسی طرف ضرور رخ کرے گا۔ پھر یہی بات میں نے وفاقی کونسل عرف مجلس شوریٰ میں کہی تھی کہ سیاسی عمل کے زیادہ دیر تک رکے رہنے سے لوگوں کا ذہن تخریبی رخ پر کام کرنے لگے گا۔

اب آپ ذرا میرے خط کے صفحے ۷ و ۸ کو غور سے پڑھیے:۔

اس ضمن میں اغلباً آپ کے اطمینان کا باعث یہ امر ہے کہ آپ کے خلاف کوئی عوامی تحریک نہ تاحال چل سکی ہے نہ ہی اس کا کوئی فوری اندیشہ موجود ہے۔ اس سلسلے میں میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ خدارا اس صورت حال سے دھوکہ نہ کھائیے اس لیے کہ اس کا اصل سبب بین الاقوامی حالات ہیں جن کے باعث پاکستان کے محبِ وطن بالخصوص دینی و مذہبی مزاج کے لوگ کوئی RISK لینے کو تیار نہیں ہیں "

لیکن ایک تو کون نہیں جانتا کہ بین الاقوامی حالات میں کوئی تبدیلی کسی بھی وقت رونما ہو سکتی ہے اور دوسرے کسی ملک کے بقا و استحکام کے لیے یقیناً بین الاقوامی صورتِ حال بھی کسی قدر اہم ہوتی ہے لیکن اصل اہمیت اس ملک کے اپنے عوام کا اطمینان ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں بالخصوص اندرون صوبہ سندھ جو لاوا پک رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کا علم آپ کو بھی لازماً ہو گا۔ لیکن میں اس امکان کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کر سکتا کہ بعض اوقات صاحبِ اقتدار لوگوں کے ارد گرد جن لوگوں کا حصار قائم ہو جاتا ہے وہ اسے صحیح صورتِ حال سے مطلع نہیں ہونے دیتے۔

واللہ اعلم!

میرے اندازے میں سندھ میں "سندھو دیش" کے لیے میدان پوری طرح اُسی طرح ہموار ہو چکا ہے جیسے مشرقی پاکستان میں "بنگلہ دیش" کے لیے ہُوا تھا اور اب فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ مشرقی پاکستان ہم سے دُور اور کٹا ہوا تھا۔ اس لیے مرکزی حکومت وہاں مؤثر کنٹرول نہ کر سکی۔ اور سندھ چونکہ زمینی طور پر ملحق ہے، لہٰذا یہاں ایسی کسی بھی تحریک کو بآسانی کچلا جا سکتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس عامل (FACTOR) پر بہت زیادہ انحصار بھی سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔

سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہمارے سیاسی مبصّروں اور تجزیہ نگاروں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ اس سبب کو بیان کیا تھا کہ پاکستان میں (ایوب خان مرحوم کے) مارشل لار کے نفاذ نے وہاں کے لوگوں میں سیاسی محرومی کا احساس پیدا کر دیا تھا اور علیحدگی پسندوں کے ہاتھ میں سب سے بڑی دلیل یہ آگئی تھی کہ فوج چونکہ ساری مغربی پاکستان کی ہے لہٰذا فوج کی حکومت کے معنی یہ ہیں کہ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان پر حکومت کر رہا ہے ۔۔۔ آج بعینہٖ یہی دلیل سندھ کے علیحدگی پسند لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ فوج کا اکثر و بیشتر حصہ پنجاب سے ہے۔ اور کچھ تھوڑا سا سرحد سے۔ لہٰذا مارشل لار کے پردے میں اصلاً "پنجاب" ہم پر حکومت کر رہا ہے۔ اور ہر گزرنے والا دن اس دلیل کو قوی سے قوی تر کر رہا ہے ۔۔۔ !

بنا بریں مَیں عرض کرتا ہوں کہ خدارا اس تعطّل کو جلد از جلد رفع کرنے کی جانب واضح پیش قدمی فرمائیے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آتش فشاں پھٹ پڑے اور پھر ملک و ملّت کے کسی بھی بہی خواہ کے کیے کچھ نہ ہو سکے۔!!

اس تمہید کے بعد خط کے صفحات ۹، ۱۰ میں وہ تجویز درج ہے جو مَیں نے سیاسی تعطّل کو ختم کرنے کے لیے پیش کی تھی۔

اس تجویز کے بارے میں اوّلین بات یہ نوٹ کرلی جائے کہ یہ آج سے آٹھ ماہ قبل پیش کی گئی تھی۔ اگر اس پر اُسی وقت عمل شروع ہو جاتا تو آج یقیناً صورتِ حال مختلف ہوتی اور عوامی سیاست کی گاڑی صحت مند خطوط پر آگے بڑھ رہی ہوتی۔ لیکن افسوس کہ اس پر نہ تو اربابِ حکومت نے غور کیا نہ اہالیانِ سیاست نے ہی اسے درخورِ اعتنا جانا۔ نتیجۃً ملکی سیاست میں محاذ آرائی کا رنگ شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا جس نے میرے تجزیے کے عین مطابق سندھ میں دھماکہ خیز صورت اختیار کرلی۔

گذشتہ ماہ تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت میں ہم نے ملکی صورتحال پر از سرِ نو غور کرکے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اب اس تجویز پر عمل کا وقت گذر گیا ہے۔ چنانچہ اب ہم اسے پیش نہیں کریں گے۔ بلکہ ہمارا موقف بھی وہی ہوگا جو ملک کے کم و بیش تمام سیاسی گروہوں کا ہے۔ یعنی یہ کہ ۷۳ء کا دستور فوراً بحال کیا جائے اور انتقالِ اقتدار کے لیے انتخابات کرا دیئے جائیں۔ اگرچہ ہم اپنی ترجیحات کے پیشِ نظر اس سلسلے میں کسی تحریک میں عملی حصّہ نہیں لیں گے۔

لیکن اب جو سندھ کی موجودہ صورتِ حال سامنے آئی جس کی تیزی و تندی خود میرے اندازوں سے بہت زیادہ ہے تو ہم نے از سرِ نو غور کیا اور لاہور میں موجود ارکانِ مجلس مشاورت سے مشورے کے بعد مَیں نے طے کیا کہ اس تجویز کو دوبارہ زیادہ وسیع پیمانے پر سامنے لایا جائے۔ اس لیے کہ موجودہ حالات میں یہی واحد ممکن "درمیانی راہ" ہے ـــ حکومت خواہ کوئی بھی ہو اقتدار سے بآسانی دستبردار نہیں ہوا کرتی اور کسی فوجی حکومت سے اقتدار واپس حاصل کرنا تو بالعموم شیر کے منہ میں سے نوالہ نکالنے کی کوشش کے مترادف ہوتا ہے اور کسی عوامی ایجی ٹیشن کے آغاز کے بعد تو یہ دستبرداری مزید مشکل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اسے اعترافِ شکست پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

لہٰذا اگر ہمارے موجودہ فوجی حکمران ۷۳ء کے آئین کو من و عن بحال کرکے فوری انتقالِ اقتدار کے لیے الیکشن کرانے کے مطالبے کو مان لیں تو یہ ان کا ایک حد درجہ

غیر معمولی ایثار اور ہر اعتبار سے تاریخی اور مثالی کارنامہ ہوگا۔
لیکن اگر بوجوہ وہ ایسا نہ کر سکیں تو کیا کیا جائے؟ کیا محاذ آرائی کی موجودہ صورت کو منطقی نتائج تک پہنچنے دیا جائے۔ یا کوئی اور صورت موجود ہے؟
مجھے اس وقت وہ عبرت آموز قصّہ یاد آرہا ہے کہ دو عورتیں ایک بچّے کی دعویدار تھیں۔ ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ بچہ اُس کا ہے۔ اور ان میں سے کوئی بھی اپنے دعویٰ سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھی۔ ساتھ ہی کوئی دوسرے شواہد بھی موجود نہ تھے۔ تو قاضی صاحب نے فیصلہ دے دیا کہ بچّے کے دو ٹکڑے کرکے ایک ایک ٹکڑا دونوں کو دے دیا جائے۔ اس پر اصل ماں دستبردار ہوگئی اور اس نے کہہ دیا کہ بچّہ دوسری عورت کو دے دیا جائے۔ اس طرح اصل ماں کی پہچان ہوگئی۔ آج ہمارا ملک کچھ ایسی ہی صورتِ حال سے دوچار ہے۔ تو کاش کہ کوئی ایک فریق اس ملک کی "اصل ماں" کا کردار ادا کر سکے۔ لیکن شدید اندیشہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو جیسے ۱۷۱ء میں ملک کے دو ٹکڑے ہوگئے تھے۔ اب پھر فوراً نہیں تو کچھ عرصے بعد ملک کے مزید ٹکڑے ہوکر رہیں گے۔ معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!!— لہٰذا شدید ضرورت ہے کہ کچھ لوگ درمیان میں آئیں اور فریقین کو کسی درمیانی راہ پر متفق کرنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں میں نے جتنا غور کیا ہے اپنی اس آٹھ ماہ قبل کی پیش کردہ تجویز کے سوا کوئی اور درمیانی راہ سامنے نہیں آئی، لہٰذا اسی کو دوبارہ پیش کر رہا ہوں۔

اس تجویز کا اصل الاصول اور مبنیٰ و مدار یہ ہے کہ یہ بات سب کو مان لینی چاہیے کہ اس ملک کے آئندہ نظام کے فیصلے کا حق یہاں کے عوام کو حاصل ہے کسی فردِ واحد کو نہیں۔ کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ دعوےٰ کرے کہ میں اس قوم یا ملک کے آئندہ نظام کا فیصلہ کر سکتا ہوں۔ یہ حق اس ملک کے رہنے والوں کو مجموعی طور پر حاصل ہے کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ نظامِ حکومت کیا ہو— ختمِ نبوّت کے عقیدے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی شخص ذاتی حیثیت میں مامور من اللہ نہیں ہے کہ اس کا حکم واجب الاطاعت بن جائے۔ رسالت کا باب ختم ہوچکا اب تو "اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ"

کا دور ہے اور اس کا تقاضا اس طرح ہرگز پورا نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنی پسند کے کچھ لوگ اپنے گرد جمع کر لیں اور ان سے ڈیبیٹ بجوا کر اپنے کسی منصوبے یا خاکے یا ڈھانچے کی تائید و تحسین حاصل کر لیں اور مطمئن ہو جائیں کہ پوری قوم کی طرف سے تائید ہو گئی ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ صدر صاحب کے پیش کردہ خاکے یا ڈھانچے سے ہمارے ملک میں جملہ دستوری مسائل از سرِ نو اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ گویا کہ صدر صاحب نے دستور کا صندوقچہ (Pandoras Box) خود کھول دیا ہے اور اس طرح دستور کے جملہ اہم مسائل کے ضمن میں از سرِ نو بحث چھیڑ دی ہے۔ حتیٰ کہ پارلیمانی اور صدارتی نظام کا معاملہ بھی زیرِ بحث آ گیا ہے۔ میں یہاں یہ عرض کر دوں کہ میں خود صدارتی نظام کے حق میں ہوں اور میری ذاتی رائے یہ ہے کہ صدارتی نظام، اسلامی نظامِ حکومت سے زیادہ قریب ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے بارے میں فیصلے کا اختیار کس کو حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ عوام کی کثرتِ رائے سے ہو گا نہ کہ کسی کی شخصی رائے سے۔ آپ اگر پورے خلوص اور اخلاص کے ساتھ اس ملک کے لیے کسی ایک نظام کو بہتر اور صحیح تر سمجھتے ہیں تو آپ کے لیے واحد ممکن اور صحیح راستہ یہ ہے کہ اس ملک کے عوام کو اس کا قائل کیجیے، آخری فیصلے کا اختیار بہرحال ان ہی کو حاصل ہے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک الیکشن بغیر کسی تاخیر کے تین ماہ کے اندر اندر ایک منتخب مجلس شوریٰ یا مجلسِ ملّی کے لیے ہو جو ان دستوری مسائل کے ضمن میں فیصلہ کرے۔ یہ الیکشن بالکل انہی خطوط پر ہوں جن پر کہ ۷۷ء کا الیکشن ہوا تھا۔ جس میں تمام سیاسی جماعتوں نے حصّہ لیا تھا سوائے اس ایک فرق کے کہ یہ انتخاب غیر جماعتی بنیاد پر ہوں اور اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ تشکیلِ حکومت کے لیے ہو گا ہی نہیں بلکہ صرف ان دستوری مسائل کو حل کرنے کے لیے ہو گا جو حکومت اور سیاسی جماعتوں کے مابین بنائے نزاع بنے ہوئے ہیں۔ اسی ضمن میں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ ہماری فوج اور جنرل صاحبان اور خود صدر صاحب بھی ہماری اپنی قوم کے اجزاء ہیں۔ قوم

کے دوسرے طبقات وافراد کی طرح انہیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ فلاں چیز میں قوم کی بھلائی ہے اور قوم کے لیے فلاں چیز مفید ہو سکتی ہے لیکن ان کی یہ رائے بھی صرف مشورے کی حد تک ہو سکتی ہے۔ اپنا مشورہ وہ قوم کے سر زبردستی تھوپ نہیں سکتے۔ فیصلے کا حق صرف عوام کو حاصل ہے۔

جب میں میڈیکل کالج میں زیرِ تعلیم تھا تو اس زمانے میں جمعیت طلبہ کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والے طلبہ کے جریدے پندرہ روزہ "عزم" کی ادارت کے فرائض میرے ذمّے تھے۔ اس میں دستور سے متعلق مختلف آراء شائع کی جاتی تھیں جن کا مستقل عنوان میں نے اس شعر کو بنا رکھا تھا ؎

اس سوچ میں کلیاں زرد ہوئیں اس فکر میں غنچے سوکھ گئے
آئین گلستاں کیا ہوگا دستورِ بہاراں کیا ہوگا"

یہ ۵۳-۱۹۵۲ء کی بات ہے اور اب ۸۳ء ہے۔ گویا پورے تیس اکتیس سال کا عرصہ بیت گیا لیکن ہم ہیں کہ" زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد" کے مصداق وہیں کے وہیں کھڑے ہیں۔ لیکن اب ہمیں یہ چاہیئے کہ لوگوں کو کھلا اختیار دے دیں کہ وہ طے کر سکیں کہ انہیں کونسا نظام چاہیئے۔ شاید آپ یہ گمان کریں کہ اس میں بہت بڑا خطرہ مضمر ہے کہ کہیں لادینیت کے علمبردار یا علاقائیت پرست افراد کی اکثریت منتخب نہ ہو جائے۔ اگر بالفرض والمحال ایسا ہے تو آپ کو کیا حق ہے کہ ان پر ان کی مرضی کے خلاف کوئی نظام مسلّط کریں۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی "اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ"، لیکن میرے نزدیک ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس ملک میں محبِّ دین اور محبِّ وطن افراد کی یقیناً اکثریت ہے اور اگر انہیں آزادانہ ماحول اور مناسب فضا میں موقع دیا جائے تو وہ لازماً پاکستان اور اسلام کے حق میں رائے دیں گے لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب مسئلہ سیاسی یا معاشی حقوق کا چھڑ جاتا ہے اور لادینیت کی علمبردار اور علاقائیت پرست اور علیحدگی پسند قوتیں سیاسی یا معاشی حقوق کی دہائی دیتی ہوئی سامنے آتی ہیں تو محبِّ دین اور محبِّ وطن عناصر اس دلیل کے آگے بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں اور انہیں اس شور و غوغا میں کہ یہ ہمارے

حقوق کا مسئلہ ہے اور ہمارے حقوق پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے، خاموشی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ یہی وہ دلیل ہے کہ جس نے مشرقی پاکستان میں بھی متحدہ پاکستان کے حامی عناصر کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا اور آج یہی حقوق کا نعرہ سندھ میں لگ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں بھی اسلام اور پاکستان کے چاہنے والے اکثریت میں ہیں لیکن وہ لوگ اسی دلیل کی وجہ سے غیر مؤثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اصولاً ان کی دلیل بڑی قوی ہے۔ آپ جب تک ان کو اس کا تسلی بخش جواب نہیں دیں گے، اُس وقت تک حالات صحیح نہیں ہو سکتے۔ آج کل تو بعض حضرات CONFEDERATION - کی بات کر رہے ہیں۔ لیکن اگر خدانخواستہ بات آگے بڑھی تو شاید وہ اس کی بات بھی نہ کریں۔

آج ہم غور کریں تو قلب کی گہرائیوں سے کیسی شدید حسرت آمیز تمنا برآمد ہوگی کہ کاش کہ ۱۹۷۱ء میں مغربی اور مشرقی پاکستان کا (CONFEDERATION) بن گیا ہوتا تو وہ صورت موجودہ صورت حال سے کتنی بہتر ہوتی۔ اب ہم سندھ میں پھر اسی قسم کی صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ اگر ہم نے ماضی کے تجربے سے فائدہ نہ اُٹھایا تو یہ سخت ناعاقبت اندیشی ہوگی۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اس ملک کے عوام کو ایک بھرپور موقع دیں کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ طے کر سکیں کہ اس ملک کی منزل اسلام ہے یا کعبہ ہے یا کچھ اور۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ سوال واضح اور دو ٹوک طور پر لوگوں کے سامنے آئے تو مختلف طبقوں اور گروہوں کی صف آرائی (POLARISATION) موجودہ تقسیم سے بالکل مختلف ہوگی۔ یعنی ایک طرف وہ لوگ ہوں گے جو اس ملک کی منزل اسلام ہی کو قرار دیتے ہیں اور اسی نصب العین کے پیشِ نظر پاکستان کی سالمیت اور اتحاد کو دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ لوگ ہوں گے جو کسی دوسرے نظام یا "ازم" کے علمبردار ہیں اور اسی کی جانب پیش قدمی کے لیے علاقائیت پرستی اور علیحدگی پسندی کے رجحانات کو ہوا دے رہے ہیں۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ اگر اس تجویز پر عمل کیا جائے تو جو لوگ اسلام اور پاکستان دونوں پر پختہ یقین رکھنے والے ہیں ان پر لازم ہوگا کہ وہ دوبارہ

تحریکِ پاکستان کے سے جوش و خروش کے ساتھ میدان میں آئیں اور اس ملک کے قبلے کو از سرِ نو درست کریں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ صرف طالع آزما لیڈروں کا کھیل بن کے نہ رہ جائے بلکہ اس میں اسلام اور پاکستان سے محبت کرنے والا ہر شخص بھرپور حصہ لے۔ لیکن اگر اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار کیا گیا اور قوت کے ساتھ لوگوں کو کچلا گیا اور طاقت کی دلیل کے بل پر بات منوائی گئی تو یہ زخم بہت گہرے ہوں گے اور اس کے لازمی نتائج کے طور پر اسلام اور پاکستان کے حامی عناصر مفلوج اور بے بس ہوتے چلے جائیں گے۔ میں حیران ہوں کہ سندھ میں ایم۔آر۔ڈی کا ایک اہم اور فعال عنصر جمعیت علمائے اسلام سے وابستہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس کے رہنماؤں میں ایک اہم شخصیت مولانا عبدالکریم بیر شریف والے ہیں جن کے تقویٰ اور تدین کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ لیکن وہ ایم۔آر۔ڈی کی تحریک کے سندھ کے علاقے میں اہم ترین رہنما ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسے لوگ اس تحریک میں کیوں شامل ہیں؟ صرف اسی دلیل کی وجہ سے کہ ہمارے حقوق دبائے جا رہے ہیں اور ان حقوق کے حصول کے لیے ہمیں لڑنا پڑے گا۔ وہ چاہیں تو دلیل میں یہ حدیث نبوی پیش کر سکتے ہیں کہ "من قتل دون مالہٗ فھو شھید" یعنی جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہُوا مارا جائے وہ شہید ہے تو وہ اس دلیل کو اس میں کیوں پیش نہیں کر سکتے کہ جو لوگ اپنے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد میں مارے جائیں وہ بھی شہید ہیں۔ عوام میں ان لوگوں کا جو اثر و رسوخ ہے، اس کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔

میں نے اپنے خط میں یہ بات واضح طور پر لکھ دی ہے کہ اس ملک کے آئندہ نظام کا فیصلہ کرنا صاحبِ صدر یا ان کے رفقائے کار کا کام نہیں ہے۔ آخر یہ اختیار آپ کو کس نے دیا ہے؟ اگر جواب میں وہ یہ کہیں کہ مجھے اس کی اجازت سپریم کورٹ نے دی ہے تو میں عرض کرتا ہوں کہ اوّل تو سپریم کورٹ نے آپ کو یہ اجازت بہت سی شرائط اور حدود و قیود کے ساتھ دی تھی۔ پھر آپ نے تو سپریم کورٹ پر عبوری دستوری حکم نامہ (P.C.O.) نافذ کر دیا جس کی وجہ سے ہماری عدلیہ ہمارے قابل ترین اور تجربہ کار ترین جج صاحبان کی خدمات

سے محروم ہوگئی۔ اسی لیے بہتر یہی ہے کہ آپ لوگوں کے حقوق اور اختیارات ان کو لوٹا دیجئے کہ وہ جو چاہیں کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بات آدمی کے لیے بڑے اطمینان کا باعث بنتی ہے کہ میرے حقوق میرے ہاتھ میں ہیں اور میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ اس سے بہت سے منفی جذبات اور زخمی احساسات میں ٹھنڈک سی پڑ جاتی ہے اور انسان زیادہ نارمل انداز میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے قاتل کی جان مقتول کے ورثاء کے ہاتھ میں دے دی ہے کہ تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو جان کے بدلے جان لے لو، چاہو تو اُسے ویسے ہی معاف کر دو۔ اور چاہو تو خون بہا لے کر اس کی جان بخشی کر دو۔ اس سے جو احساس پیدا ہوتا ہے کہ قاتل کی جان ہمارے ہاتھ اور اختیار میں ہے تو اس سے ان کے دلوں میں سلگنے والی انتقام کی آگ کسی حد تک ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور اس طرح بہت سی تلخی از خود رفع ہو جاتی ہے۔

میرے نزدیک قیام پاکستان عالمی سطح پر اسلام کے احیاء اور غلبہ کی خدائی تدابیر کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے اور اس احیاء اسلام کے رول کا حق ادا کرنا تمام مسلمانان پاکستان کی مشترک ذمہ داری ہے۔ یہ ملک پوری امّتِ مسلمہ میں مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ وہ واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے۔ ہم ان ساری چیزوں کو بھول گئے ہیں۔ اس لیے میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ میرے اس خط کو پڑھیے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو پوچھیے اور اگر سمجھ میں آجائے تو پھر اس کو عام کیجئے۔ میں خاص طور پر مسلم لیگی ذہن رکھنے والے حضرات کو دعوت دوں گا کہ وہ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور تحریکِ پاکستان کے جذبے اور جوش و خروش کے احیاء کے لیے ایک بار پھر کمر بستہ ہو جائیں۔ شاید کہ اس طریقے سے نہ صرف یہ کہ ملک کے تحفّظ کی صورت بن جائے اور جو فوری خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے وہ رفع ہو جائے بلکہ مثبت طور پر قوم کو اپنی منزل کا دوبارہ سراغ مل جائے ــــ اور ملک و ملّت کا قافلہ ــــ "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!" کے انداز میں منزل کی جانب رواں ہو جائے۔

یہاں میں اپنے ایک وجدانی احساس کا ذکر بھی کر ہی دوں۔ جس کا تذکرہ میں نے صدر صاحب کے نام اپنے خط کے اختتام پر کیا تھا۔ یعنی :-

"قرآن حکیم میں سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ مصر کے طویل دورِ غلامی کے نتیجے میں ان میں سیرت و کردار کا جو زوال و اضمحلال پیدا ہو گیا تھا، وہ چالیس برس کی صحرا نوردی کے بعد رفع ہو سکا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں بھی آزادی کے بعد بے یقینی اور بے مقصدیت کے صحرائے تیہہ، میں بھٹکتے ہوئے چالیس برس کے لگ بھگ ہونے کو آئے ہیں تو کیا عجب کہ اب اس بھٹکے ہوئے راہی کو منزل کا سراغ مل ہی جائے۔! اور مملکتِ خداداد پاکستان عالمی سطح پر احیاءِ اسلام اور غلبۂ دین کے انقلاب آفریں عمل کے ضمن میں اپنے مثبت کردار کو ادا کرنے کے لیے کمر بستہ اور سرگرم عمل ہو ہی جائے۔!!! وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۔"

پاکستان میں ابھی کافی لوگ ایسے موجود ہیں جنہوں نے پاکستان کی تحریک میں اپنا پسینہ بہایا تھا بلکہ ابھی ایسے بھی موجود ہیں جنہوں نے قیام پاکستان کے لیے زخم کھائے اور اپنے خون کا ہدیہ پیش کیا۔ ایسے بھی ہیں جن کے پورے پورے خاندان شہید ہو گئے تھے۔ میں ان سب سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آگے آئیں اور دوبارہ قوم کی رہنمائی کریں اور تحریکِ پاکستان کے اصل جذبے کو از سرِ نو تازہ کرنے کے لیے اپنی قوتیں اور صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ اسی طرح جماعتِ اسلامی اور مختلف مکاتیب فکر کے علماء کی تنظیمیں ہیں، یہ سب مل کر پاکستان و اسلام کی حفاظت کے لیے کمر بستہ ہو جائیں اور خاص طور پر اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی پارٹی کی دشمنی کو اپنا اصل ہدف نہ بنالیں۔ منفی سیاست کا معاملہ بہت خطرناک ہوگا۔ مثبت بات پیش کیجیے اور خاص طور پر اسلام اور نظریہ پاکستان کی بات کو آگے لائیے اور تشکیل حکومت کے مسئلے کو فی الحال پس منظر میں لے جائیے۔ اس وقت اصل چیز اس ملک کی منزل کا تعین ہے۔

مجھے امید واثق ہے کہ اگر اس تجویز پر عمل کیا جائے جو میں نے پیش کی ہے

تو ان شاء اللہ پھر "بھٹکے ہوئے راہی" کو اپنی اصل کا نشان مل جائے گا اور گویا کہ "تحریکِ پاکستان" کا از سرِ نو احیاء ہو جائے گا۔ لیکن بصورت دیگر جبر اور تصادم کی سیاست اور یہ خیال کہ ہمارے پاس طاقت ہے ہم ہر مخالفت کو کچل سکتے ہیں، اس طرح کی باتیں کی گئیں تو جانے والے تو چلے جائیں گے اصل نقصان اس ارضِ پاکستان کو پہنچے گا اور اس مقصد کو پہنچے گا کہ جس کے لیے اس ملک کو حاصل کیا گیا تھا۔

مَیں نے یہ ساری گذارشات آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ کہ نہ معلوم پھر موقع ملتا ہے کہ نہیں ملتا۔ ہمیں نہ تو کوئی نعرہ لگانا ہے، نہ جلوس نکالنا ہے نہ کہیں جا کر ہنگامہ برپا کرنا ہے۔ یہ خط آپ کے ہاتھ میں ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور جس کا جہاں جہاں اثر و رسوخ ہو اس کو وہاں وہاں پہنچایئے۔ اس میں پیش کیے جانے والے حل پر گفتگو بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے محاسن کیا ہیں۔ اس کے نتائج کیا ہیں۔ مَیں نے ایک مخلص اور محبِ وطن پاکستانی اور دین کے ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے اس مسئلے پر غور و خوض کرنے کے بعد صورت حال کا حل آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ بات پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ یہ خط ۲۱ دسمبر ۱۹۸۲ء کا لکھا ہُوا ہے اور اس وقت بھی یہ اچانک اور فوری طور پر تحریر میں نہیں آ گیا تھا بلکہ میرے تقریباً سال بھر کے غور و خوض کا حاصل تھا۔

اقول قولی ھٰذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

ڈاکٹر ابصار احمد ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی

کی تالیف (بزبان انگریزی، صفحات ۱۶۰)

کانٹ اور کیرکیگارڈ

ایک تقابلی مطالعہ

(عنقریب شائع ہو رہی ہے!)

ناشر: مکتبہ کارواں، کچہری روڈ، لاہور

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپرس روڈ ۔ لاھور

تصریحات و توضیحات

——— اسرار احمد

(۱)

جریدہ ’’عرب نیوز‘‘ میں صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کا ایک مفصل انٹرویو شائع ہوا تھا جو ’’عرب نیوز‘‘ کے چیف ایڈیٹر جناب خالد المعینا نے لیا تھا۔ معاصر ’’جنگ لاہور‘‘ نے اپنی اشاعت بابت ۱۹ اگست ۸۳ء میں اس کے انگریزی متن کا عکس شائع کیا۔ اس انٹرویو میں دو سوالات امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں بھی تھے۔ ان کے جو جوابات مبیّنہ طور پر صدرِ پاکستان نے دیئے ان کا نہ صرف یہ کہ مجموعی انداز کردار کشی کا رنگ لیے ہوئے ہے بلکہ اس میں مسجد دارالسلام، باغ جناح، لاہور میں سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں پیش آمدہ ایک واقعے کا ذکر بالکل خلافِ واقعہ انداز میں ہوا ہے۔ اس پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ایک وضاحتی بیان پریس کو جاری کیا۔ ذیل میں ہم جریدہ ’’عرب نیوز‘‘ میں شائع شدہ متعلقہ سوالات اور ان کے جوابات کا عکس اور ڈاکٹر صاحب کا بیان شائع کر رہے ہیں ——— ادارہ

Q: There are statements by some people, which are attributed to the government. For example, the statements of Dr. Israr Ahmad.

A: Now you see, Dr. Israr is a controversial figure. I happened to know Dr. Israr 15 years ago and I know him as an Islamic scholar, as a Qur'anic scholar — not Islamic, Qur'anic scholar. He used to describe the 'Tafseer' of the Qur'an on Friday mornings. I also went sometimes, in Lahore, Karachi sometimes. That is how I knew Dr. Israr. When we started this Islamization process, we were looking for individuals who are — so, we picked Dr. Israr. Dr. Israr came on television. He never spoke anything other than the 'Tafseer' of the Qur'an and in very clear

terms. Unobjectionable, non-controversial issues. The same Dr. Israr, when he comes out of television and stands up in Lahore and asks me to stop cricket, the same Dr. Israr goes up in a meeting in Karachi and says "ban the women's organizations." So, he is a controversial figure and one you should not take seriously. I only respect Dr. Israr for his knowledge of the Qur'an, and that is all. But even there we came to know a little later his controversial sayings and that is why he is a man who is controversial and we can't bring him.

Q: I think his demand for stopping cricket must have created more alarm than many of his other demands.

A: And you know, it happened face to face. It is not that he sent me a message. I was in Lahore on a Friday, I went to a mosque close by where Dr. Israr was present. So, we said Juma'a prayers together, and when after the prayers, when we were having *dua*, Dr. Israr stood up, there were 400 or 500 people, and he said: "Mr. President, can I have your permission to say something.?" I thought, he is probably going to talk what is Islam and I said, "Yes, Dr. Israr." So, he stood up and said "My dear countrymen, my dear brothers in Islam, in your presence, I am going to request the president of Pakistan for one favor, for one thing good that we can do in this country." I was very excited. I said, "What?" And he said, "Mr. President, may I request you to please stop cricket in Pakistan, because for five days during the match, people forget everything, including Namaz? Ban cricket." I listened to him and I walked out.

وضاحتی بیان

میں بلتستان کے دعوتی دورے سے واپس لاہور آیا تو میرے علم میں وہ باتیں آئیں جو جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے جریدہ "عرب نیوز" کو انٹرویو دیتے ہوئے میرے بارے میں ارشاد فرمائیں۔ ان میں سے بعض باتیں ذاتی نوعیت کی ہیں جن کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے لیکن ایک معاملہ خالص واقعاتی نوعیت کا ہے جس کی تصحیح ضروری ہے۔

جہاں تک صدر صاحب کے اس قول کا تعلق ہے کہ میں عالم دین نہیں ہوں تو وہ بالکل درست ہے، بلکہ انہوں نے جو مجھے "قرآنی سکالر" قرار دیا ہے تو فی الواقع میں اس خطاب کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ میں تو زیادہ سے زیادہ قرآن حکیم کا ایک ادنیٰ طالب علم اور دین کا حقیر خادم ہوں۔ بہرحال مطالب قرآنی کی تفہیم و اشاعت کے ضمن میں صدر صاحب نے جو تحسین آمیز کلمات میرے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں میں ان پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

لیکن کرکٹ کے بارے میں میری ایک بالمشافہ درخواست کا ذکر اس انٹرویو میں جس انداز میں آیا ہے وہ یکسر خلافِ واقعہ اور حد درجہ مغالطہ آمیز ہے ــــ واضح رہے کہ یہ واقعہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں پیش آیا تھا۔ جہاں میں عرصۂ دراز سے خطابت و امامت جمعہ کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں۔ چنانچہ نہ وہاں میری موجودگی اتفاقی تھی نہ صدر صاحب کی آمد اچانک ہوئی تھی۔ بلکہ صدر صاحب وہاں پورے سرکاری اہتمام اور سیکیورٹی وغیرہ کے انتظامات کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ پھر جو کچھ میں نے عرض کیا تھا وہ بھی نماز کے خاتمے اور دعا کے بعد اچانک کھڑے ہو کر اور ان سے اجازت طلب کر کے نہیں کیا تھا بلکہ "الدین النصیحۃ[1]" کے فرمانِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے میں نے نمازِ جمعہ سے قبل مستقل خطاب میں خالصتہً خیرخواہی کے جذبہ کے تحت ان کی خدمت میں چند گذارشات پیش کی تھیں۔ ان میں سے ایک بات کرکٹ کے کھیل کے بارے میں تھی کہ اس کے باعث قوم کا بہت سا وقت اور پیسہ ضائع ہوتا ہے اور ہم اس عیاشی کے متحمل نہیں ہو سکتے لہٰذا اسے ملک بدر کر دیا جائے دوسری بات خواتین کی ہاکی ٹیم کے بارے میں تھی۔ مزید برآں کچھ باتیں عائلی قوانین اور ستر و حجاب کے احکام کی تنفیذ کے بارے میں تھیں۔

الحمدللہ کہ صدر صاحب نے میری پوری تقریر نہایت صبر و سکون کے ساتھ سنی تھی اور ایسا ہرگز نہیں ہوا تھا کہ وہ میری بات سن کر مسجد سے باہر نکل گئے ہوں میری تقریر کے بعد انہوں نے میری امامت میں نماز جمعہ ادا کی، اس کے بعد مجھ سے معانقہ کیا۔ خیریت دریافت کی، میری باتوں پر غور کرنے کا وعدہ فرمایا، اور پھر پورے وقار کے ساتھ اور نہایت خوشگوار ماحول میں مسجد سے رخصت ہوئے۔

پھر یہ تاثر بھی قطعاً خلافِ واقعہ ہے کہ کرکٹ کے بارے میں اس اظہارِ خیال یا مطالبے سے میں یکدم متنازعہ شخصیت بن گیا تھا اور اسی وجہ سے صدر صاحب نے مجھ سے دوری اختیار کر لی تھی۔ اصل واقعات یہ ہیں کہ مسجد دارالسلام کا یہ واقعہ ۲۸ نومبر ۸۱ء کو پیش آیا تھا اور اس کے بعد ہی صدر صاحب کی خصوصی ہدایات پر پاکستان ٹیلیویژن

---

[1] حدیث نبویؐ، ترجمہ "دین تو خیر خواہی کا نام ہے"۔

کارپوریشن نے "الہدیٰ" کا پروگرام طے کیا جو اپریل ۱۹۸۱ء سے جون ۱۹۸۲ء تک پورے پندرہ ماہ جاری رہا، خود صدر صاحب نے بنفسِ نفیس مجھے "ستارۂ امتیاز" عنایت فرمایا، ایک ذریعے سے مجھے مرکزی وزارت میں شمولیت کی دعوت دی اور اس سے میرے انکار پر بالآخر مجھے وفاقی کونسل عرف مجلسِ شوریٰ کے لئے نامزد کیا۔

"رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند" کے مصداق اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر کسی شخص کو کسی خدمت کا موقع دینے یا نہ دینے کا اختیار حکمرانوں کو حاصل ہوتا ہے جس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے ـــــ لیکن اس ضمن میں خلافِ واقعہ باتوں کا صدرِ مملکت ایسی اہم شخصیت کی جانب منسوب ہونا یقیناً بہت معیوب ہے اسی لئے میں نے یہ پوری وضاحت قوم کے سامنے پیش کر دی ہے۔

رہا کسی کا متنازعہ شخصیت بن جانا، تو میں حیران ہوں کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو بالکل غیر متنازعہ ہو۔ سوائے اس کے جس کا سرے سے کوئی اصول ہی نہ ہو، یا اس منافق کے کہ جس کے نفاق کا پردہ ابھی چاک نہ ہوا ہو۔ ـــــ اس سلسلہ میں صدر صاحب اگر ذرا خود اپنے بارے میں غور فرمالیں کہ وہ کتنی متنازعہ یا غیر متنازعہ شخصیت ہیں تو میرے خیال میں کم از کم اس ضمن میں کوئی ابہام باقی نہ رہے گا۔

خاکسار

اسرار احمد

۸۳-۸-۲۵

(۲)

فقہی سوالات کے جواب سے معذرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باعثِ تحریر آنکہ:

بعض اسباب، بالخصوص ٹیلیویژن پروگرام "الہدیٰ" کے باعث میرے

ایک وسیع حلقے میں تعارف کی بنا پر بہت سے حضرات کی جانب سے میرے نام فقہی مسائل کے ضمن میں سوالات پر مشتمل خطوط کثرت سے آنے لگے ہیں - اس ضمن میں حسبِ ذیل تصریحات ضروری ہیں :

میں معروف معنی میں 'عالمِ دین' ہونے کا بھی ہرگز مدعی نہیں ہوں کجا یہ کہ فقیہہ یا مفتی ہونے کا دعویدار ہوں - میری اصل حیثیت کتابِ الٰہی کے ایک حقیر طالب علم اور دینِ حق کے ایک ادنیٰ خادم کی ہے - اور میرا تمام تر علم و فہم اساسیاتِ دین کے مباحث ہی سے متعلق ہے - البتہ ان کے ضمن میں جو شعور اللہ کے فضل و کرم سے مجھے حاصل ہوا ہے اس پر میں بحمداللہ خود بھی امکانی حد تک عمل پیرا ہونے کی کوشش کر رہا ہوں اور اُسی کو حتی المقدور عام کرنے کی سعی بھی کر رہا ہوں — گویا میری سعی و جہد کا اصل میدان تحقیق و تدقیق یا افتاء و اجتہاد نہیں بلکہ دعوت و اقامتِ دین اور جہاد و انفاق فی سبیل اللہ کا ہے -

یہی وجہ ہے کہ اپنے پیشِ نظر مقاصد کی تکمیل کے لئے جو جماعت میں نے 'تنظیم اسلامی' کے نام سے قائم کی ہے اس میں شامل ہونے والے حضرات مجھ سے سمع و طاعت فی المعروف اور ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت تو کرتے ہیں لیکن فقہی معاملات میں میری پیروی کے ہرگز پابند نہیں ہیں - بلکہ 'تنظیم اسلامی' میں ہر شخص کو کھلی آزادی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ جس فقہی مسلک کی چاہے پیروی کرے بلکہ سلوکِ باطنی کے ضمن میں بھی جس سلسلے میں اور جس صاحبِ ارشاد بزرگ سے چاہے منسلک ہو جائے -

لہٰذا میں ان تمام احباب سے جن کا مجھ سے دینی اعتبار سے کسی بھی درجے میں حسنِ ظن یا دلی محبت کا تعلق قائم ہو بصد ادب درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے فقہی مسائل و معاملات میں بالکل نہ گھسیٹیں اور ایسے تمام سوالات کے جواب سے معذور سمجھیں بلکہ ان معاملات میں اپنے اپنے مسلک اور مکتبِ فکر کے علماء اور مفتی حضرات سے رجوع فرمائیں — اور میرے ساتھ اپنے کل تعلقِ خاطر کے رخ کو دین کے بنیادی فرائض کے فہم و شعور اور اُن کی ادائیگی کے لئے جان و مال کے صرف و انفاق کی جانب موڑ دیں -

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دینِ متین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین،

خاکسار

اسرار احمد عفی عنہ

(ساتویں نشست)

الھدیٰ

مقام عزیمت
اور
حکمتِ قرآنی کی اساسات

سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی روشنی میں
پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ
منتخب نصاب کا درس ثالث

از : ڈاکٹر اسرار احمد

(۱)

السّلام علیکم : نحمدہٗ وَنستعینہٗ وَنستغفرہٗ ونؤمن
بہٖ وَنتوکّلُ علَیہِ

معزز حاضرین اور محترم ناظرین! مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا درس ان مجالس میں سلسلے وار ہو رہا ہے اس میں پہلا درس مشتمل تھا سورۃ العصر پر اور دوسرا درس مشتمل تھا آیہ بر پر۔ یہ دو درس ہم نے چھ نشستوں میں مکمل کئے ہیں۔ آج ہم اس سلسلے کے تیسرے درس کا آغاز کر رہے ہیں جو سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع پر مشتمل ہے۔ آیئے ہم سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی تلاوت کریں اور اس کا ایک رواں ترجمہ سمجھ لیں۔ تاکہ اس کے مضامین بیک نگاہ ہمارے سامنے آجائیں۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم　　بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ڼ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ ع

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا یہ سورۂ لقمان کا دوسرا رکوع ہے اور یہ سورۃ مصحف میں اکیسویں پارے میں واقع ہوئی ہے اور یہ رکوع آٹھ آیات پر مشتمل ہے۔ ان آیات مبارکہ کا ایک رواں ترجمہ یہ ہوگا۔

"اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا فرمائی کہ شکر کر اللہ کا اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کو۔۔۔ اور جو کوئی کفران نعمت کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ غنی ہے، بے نیاز ہے۔ اور وہ آپ ہی اپنی ذات میں محمود ہے ستودہ صفات ہے۔۔۔ اور یاد کرو

جب کہ لقمان نے کہا اپنے بیٹے سے اور وہ اُسے نصیحت کر رہے تھے کہ اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجئے - یقیناً شرک بہت بڑا ظلم اور بہت بڑی ناانصافی ہے - اور ہم نے انسان کو وصیت کی ہے اس کے والدین کے بارے میں اٹھائے رکھا اُسے اس کی والدہ نے کمزوری پہ کمزوری جھیل کر اور دودھ چھڑانا ہے دو سالوں میں - کہ کر شکر میرا اور اپنے والدین کا - میری ہی طرف لوٹنا ہے - اور اگر وہ تجھ سے جھگڑیں اس پہ کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لئے تیرے پاس کوئی علم نہیں ہے تو انکا کہنا مت مان اور دنیا میں ان کے ساتھ رہ معروف طور پر - اور پیروی کر اس کے راستے کی جس نے اپنا رُخ میری طرف کر لیا ہو - پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے اور میں جتلا دوں گا جو کچھ کہ تم کرتے رہے - اے میرے بچے! خواہ وہ یعنی نیکی یا بدی رائی کے دانے کے ہم وزن ہو - خواہ وہ چٹان میں ہو - خواہ آسمانوں میں ہو - خواہ زمین میں ہو - اللہ اُسے لے آئے گا - اللہ بہت باریک بین ہے - بہت باخبر ہے اے میرے بچے! نماز قائم رکھ - نیکی اور بھلائی کا حکم دے - بدی اور برائی سے روک اور پھر صبر کر اس پر کہ جو تجھ پر بیتے - یقیناً یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے - اور اپنی گردن کو ٹیڑھا نہ کر - کج رخی اختیار نہ کر لوگوں کے لئے اور زمین میں اکڑ کر مت چل - اللہ کو کو معزور لوگ اور شیخی خورے بالکل پسند نہیں - اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اپنی آواز کو پست رکھ اس لئے کہ تمام آوازوں میں سب سے بڑھ کر ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے"۔

یہ جو ترجمہ آپ کے سامنے آیا اس سے بطریق تذکر بہ ادنی تامل جو باتیں سامنے آتی ہیں خاص طور پر اس منتخب نصاب میں اسباق کی جو ترتیب ہے اس کے حوالے سے میں چاہوں گا کہ پہلے ان بنیادی امور کو

سمجھنے کی کوشش کریں جو اس رکوع میں بیان کئے گئے ہیں یعنی ہم، ان آیات میں جو اصل سبق ہے اس کا جو لبِّ لباب ہے۔ ان کا جائزہ لے لیں ۔۔ آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ ان آیات میں بھی وہی چار چیزیں پھر بیان ہو رہی ہیں جو اس سے پہلے سورۃ العصر اور آیۂ بِر میں آچکی ہیں اس لئے کہ اصل ہدایت تو ایک ہی ہے۔ صراط مستقیم تو ایک ہی ہے۔ اس کے سنگہائے میل تو وہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ بقول شاعر

ع اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

مختلف اسالیب سے مختلف طریقوں سے اس راہِ ہدایت کو واضح کرنا یہ قرآن مجید کا مقصد ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہر جگہ وہ بنیادی مضامین ایک نئے رنگ کے ساتھ آتے ہیں موضوع اور (Context) بدلا ہوا ہے۔ وہ بحث نئی ہے کہ جس کے ضمن میں وہی مضامین ایک نئے رنگ کے ساتھ آرہے ہیں ذرا جائزہ لیجئے، ایمانیات ثلاثہ کے ضمن میں ایمان باللہ کا ذکر یہاں بڑی وضاحت کے ساتھ آیا ہے مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے آیا ہے۔ ایمان باللہ کا مثبت پہلو ہے اللہ کا شکر کرو اور ایمان باللہ کا منفی پہلو کیا ہے یا اللہ کے ساتھ شرک مت کرو۔ تو اللہ کا شکر، التزامِ شکرِ الٰہی اور اجتناب عن الشرک، یہ دونوں چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو گویا کہ ایمان باللہ اور اس کی جو مطلوبہ کیفیات ہیں وہ انسان کو بتمام وکمال میسر آجائیں گی۔

اس کے بعد ایمان بالرسالت کا جائزہ لیجئے تو اس کا ذکر اس پورے رکوع میں آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ اس رکوع میں کسی نبی کا کسی رسول کا، وحی کا ملائکہ کا اور الہامی کتابوں کا ذکر نہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ یا یہ کہ یہاں درحقیقت حکمت کی جو بنیادی باتیں ہیں، حکمتِ قرآنی کے جو اصول ہیں وہ بیان ہو رہے ہیں۔ اور وہ ایک ایسی شخصیت کے حوالے سے ہو رہے ہیں یعنی حضرت لقمان۔ جو نہ نبی تھے نہ رسول تھے نہ کسی نبی یا رسول کے پیرو تھے۔ بلکہ ایک

صحیح الفطرت انسان، ایک سلیم العقل انسان تھے ان کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اگر انسان فطرت سلیمہ اور عقل صحیح کی رہنمائی میں ذہنی سفر طے کرے گا تو وہ کن امور تک پہنچ جائے گا - اصل میں اس رکوع میں اسی بات کا تذکرہ ہے - لہذا یہاں رسالت یا نبوت کا سرے سے ذکر نہیں۔

ایمان بالآخرت کا جائزہ لیجئے - جس کا اصل جوہر (ESSENSE) جزائے اعمال ہے - نیکی اور بدی کا بھرپور صلہ یہاں اس کا ذکر ایک نہایت بلیغ پیرائے میں موجود ہے کہ "اے میرے بچے نیکی یا بدی خواہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہو اور پھر خواہ کسی چٹان میں چھپ کر وہ عمل کیا گیا ہو یا کہیں فضا کی پہنائیوں میں وہ عمل کیا گیا ہو یا کہیں زمین کے پیٹ میں گھس کر اس عمل کا ارتکاب کیا گیا ہو، وہ عمل ضائع نہیں ہوگا اللہ اس کو لے آئیگا ـ" یہ اصل میں ایمان بالآخرت کا لب لباب ہے کہ:

از مکافاتِ عمل غافل مشو" اعمال کا نتیجہ نکل کر رہے گا لیکن جان لیجئے کہ یوم آخر - یوم القیامہ - جزا و سزا کا صراحت کے ساتھ ذکر یا جنت و دوزخ کا ذکر یہاں نہیں ہوا - اصل میں یہ چیزیں وہ ہیں جو صرف نبوت اور رسالت کے ذریعے معلوم ہوسکتی ہیں - تو یہاں پر ایمان بالآخرت کا وہی پہلو مذکور ہے جو حکمت میں شامل ہے یعنی بغیر وحی کے بغیر نبوت و رسالت کے بھی وہاں تک فطرت صحیحہ اور عقل سلیم انسان کو پہنچا سکتی ہے۔

حکمت کی معراج یہ ہے کہ انسان کے قلب میں اپنے خالق اور اپنے رب کی جو معرفت ودیعت شدہ لیکن خوابیدہ ہے اس حقیقت کو انسان اپنے قلب و ذہن میں جگائے یعنی فطرت کی صحت اور سلامتی کا لازمی نتیجہ معرفت الٰہی ہے اور اس معرفت کا لازمی نتیجہ 'شکر' ہے - حکمت ہی کا لازمی تقاضا ہے یہ 'جذبہ شکر' اپنے مالک، آقا پالن ہار اور پروردگار کی ذات پر مرتکز ہو جائے پھر یہی شکر الٰہی اس امر کو مستلزم ہے کہ ایسا

انسان شرک سے بالکلیہ اجتناب اور توحید کا التزام کرے - لہذا حکیم لقمان نے جن کو اللہ تعالٰی نے دانائی اور حکمت عطا کی تھی، اپنی فطرت کی صحت اور عقل سلیم کی روشنی میں "توحید" کی معرفت اور جذبہ شکر سے سرشار ہونے کی سعادت حاصل کی - اسی لئے وہ اپنے بیٹے کو نہایت ہی دلنشین اور پیار کے لہجے میں نصیحت و وعظ کہتے ہیں کہ :

یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ -

"اے میرے پیارے بچے! دیکھنا اللہ (ذات وصفات) کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا — بے شک شرک بہت بڑا ظلم، بہت بڑی ناانصافی ہے"

آپ نے دیکھا تھا کہ سورۃ العصر اور آیۂ برّ میں ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ کا ذکر ہے - یہاں بھی جائزہ لیجئے - سب سے پہلی چیز جو سامنے آئی وہ ادائے حقوق ہے —— قرآن حکیم میں آپ کو کئی مقامات پر یہ اسلوب ملے گا کہ ادائے حقوق میں جہاں اللہ تعالٰی کے اس حق کا تذکرہ ہو گا کہ صرف اس کی عبادت کی جائے شرک سے اجتناب اور توحید کے التزام کے ساتھ - تو اللہ کے حق کے بعد والدین کے حقوق کا بیان ہو گا جیسے یہاں ہم نے دیکھا کہ حضرت لقمان اجتناب شرک اور التزام توحید کی اپنے بیٹے کو نصیحت کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالٰی کی طرف سے فرمایا جا رہا ہے :

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ - اسی طرح سورہ البقرہ میں فرمایا: وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا — اور یاد کرو کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا" — اور دوسری جگہ سورۃ انعام میں فرمایا : قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا - "اے نبی! ان (یہود) سے کہدیجئے کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے

ربّ نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں ؟ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو"۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا : وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ "اور تیرے ربّ نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو" — اس رکوع میں جس کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں، والدین کے حقوق کا ذکر کر کے والدہ کے حق کو نمایاں کیا گیا اور اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کی تاکید فرمائی گئی : وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ

والدین کے ساتھ حسن سلوک، یہ اصل میں عنوان ہے اس بات کا کہ اس دُنیا میں جو انسان رہتا ہے، زندگی بسر کرتا ہے تو اس پر بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں جنہیں اُسے ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ یہ حقوق العباد ہیں — ان حقوق العباد میں سرفہرست والدین کے حقوق ہیں۔ اس میں قطعی کسی شک کی گنجائش نہیں — بات معقول ہے اور منطقی بھی ہے۔ انسان پر سب سے بڑا احسان تو بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ کا ہے جو اس کا خالق ہے مالک ہے پروردگار حقیقی ہے۔ لیکن اللہ کے بعد انسان سب سے زیادہ زیر بار احسان ہے اپنے والدین کا جنہوں نے اُسے پالا پوسا۔ اپنا پیٹ کاٹ کر اُسے کھلایا۔ اپنا آرام تج کر اُسکے آرام کی فکر کی۔ اُس کی تکلیف پر بے چین ہوجاتے رہے۔ اُسے اگر کوئی تکلیف ہوتی تھی تو راتوں کی نیندیں ان کی حرام ہوتی تھیں۔ پھر ان میں بالخصوص والدہ، اُس کا حق بہت فائق ہے۔ لہٰذا والدین کے ذکر کے بعد جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، یہاں آپ نے دیکھا کہ والدہ کا خاص طور پر ذکر آیا ہے — اٹھائے رکھا اُسے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے۔ پھر وہ جونک کی طرح اس کی چھاتی سے ...

کہ اس کے جسم و جان کی توانائیاں چوستا رہا دودھ کی شکل میں دو برس تک اس نے اپنی بہترین توانائیاں غذا بنا کر اُسکے جسم میں اتاریں لہذا یہ والدین بالخصوص والدہ کے یہ احسانات عظیمہ ہیں ۔۔ انسانوں کے حقوق میں سرفہرست والدین کے حقوق ہیں -

یہاں ایک بات ذہن میں رکھیے ۔ حضرت لقمان نے وصیت کرتے ہوئے بیٹے کو اللہ کا حق تو بتا دیا - کہ اے میرے بچے اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا - اس کا شکر کرنا - لیکن خود اپنے حقوق کو بیان کرنا انہیں زیب نہ دیتا تھا - لہذا اُس مضمون کی تکمیل اللہ نے اپنی طرف سے کر دی حضرتِ لقمان کی نصیحتوں کے سلسلے میں اللہ تعالےٰ نے ایک بات اپنی طرف سے داخل فرما دی جس کا ذکر میں کر چکا ہوں —— البتہ اسی گفتگو میں ایک بہت اہم بات آگئی یعنی یہ اگر دو حقوق آمنے سامنے آئیں - اللہ کا حق - اور مخلوقات میں سے سب سے فائق والدین کا حق —— تو ایک امکانی سوال یہ سامنے آتا ہے کہ اگر یہ دونوں حقوق ٹکرا جائیں یعنی یہ کہ والدین اپنی اولاد کو شرک پر مجبور کریں - تو اب اولاد کیا کرے؟ یہ بالکل ایک عملی اور Practical مسئلہ ہے - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر جو لوگ ایمان لاتے ان میں سے بالخصوص جو نوجوان تھے - اُن میں Teen Agers بھی تھے - حضرت سعد ابن ابی وقاص، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما ، یہ نوجوان تھے اور انکے لئے سب سے بڑا عملی مسئلہ یہ کھڑا ہو گیا کہ ان کی والدہ یا والدین جو مشرک تھے وہ انہیں مجبور کر رہے تھے اور اپنے حقوق کا واسطہ دے رہے تھے کہ اپنے آبائی دین کو ترک نہ کرو - اب ان سعادتمند سلیم الفطرت اور صحیح العقل نوجوانوں کے سامنے یہ عملی سوال آیا کہ اب کیا کریں —— ظاہر بات ہے کہ اُن کے سامنے والدین کے حقوق کا جو تصور ہے - اسکے اعتبار سے ان کے لئے ایک عملی پیچیدگی پیدا ہو گئی —— قرآن مجید نے آگے اس کا حل پیش

کر دیا کہ اگر والدین شرک پر مجبور کریں تو وہ اپنے حقوق سے تجاوز کر رہے ہیں لہٰذا فَلَا تُطِعْهُمَا - انکا کہنا مت مانو - البتہ یہ بھی نہیں کہ اس طرح ان کے سارے حقوق ساقط ہو گئے - نہیں، شرک پر مجبور کرتے ہیں تو انکی حکم عدولی کی جائے گی - لیکن باقی ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم برقرار رہے گا - وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا - لیکن دیکھنا اتباع کرنا اُس شخص کا جس نے اپنا رُخ میری طرف کر لیا ہو وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ اس معاملہ میں والدین کا اتباع ضروری نہیں - والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک ضروری ہے - لیکن اگر والدین مشرک ہوں تو ان کا اتباع ہرگز لازم نہیں - نہ عقلاً نہ نقلاً -

اس رکوع کی آیت نمبر ۱۳ میں تو حضرت لقمان کی نصائح کے ذکر کا آغاز ہوا اور پہلی نصیحت اجتناب عن الشرک کی تاکید تھی - درمیان کی دو آیات یعنی ۱۴ اور ۱۵ میں اللہ تعالےٰ نے اس وصیت کا اپنی جانب سے ذکر فرمایا جو جبلّی طور پر بھی انسان کو کی گئی ہے اور الہامی طور پر بھی - پھر اگر حقوق اللہ اور حقوق الوالدین میں ٹکراؤ ہو تو ایک موحد کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے - اس کا ذکر فرمایا - اس کے بعد آیت نمبر ۱۶ سے پھر حضرتِ لقمان کی نصائح کا ذکر شروع ہوا - جس میں دوسری نصیحت مکافاتِ عمل یعنی یوم الآخرہ، یوم الحساب سے متعلق ہے - وقت بہت کم رہ گیا ہے لہٰذا اس موضوع پر بحث ان شاء اللہ اسی درسِ ثالث کی آئندہ نشست میں ہوگی چونکہ اس کا تعلق ایمانیات سے ہے - البتہ میں چاہوں گا کہ آپ اس بات کو خاص طور پر نوٹ کریں کہ عملِ صالح میں دوسری چیز آئی "نماز قائم کرو" - اور آیۂ بِرّ کی طرح یہاں بھی دیکھئے - وہاں انسانی ہمدردی کا ذکر مقدم تھا اقامتِ صلوٰۃ پر - یہاں ادائے حقوق کا ذکر مقدم ہے ادائے صلوٰۃ پر - والدین کے حقوق کا ذکر پہلے اور صلوٰۃ کا ذکر بعد میں آرہا ہے - اس کے بعد اعمال میں آپ اور شمار کریں

گے تو تواضع اور انکساری اور فروتنی کا معاملہ آئے گا جن کا ذکر آیات ۱۸ اور ۱۹ میں آیا ہے صعر کہتے ہیں ایک بیماری کو جو اونٹ کی گردن میں ہو جاتی ہے جس سے گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ تو انسانوں میں بھی جب تمکنت پیدا ہوتی ہے اور غرور کی وجہ سے کج روئی اختیار کرتے ہیں تو اس سے روکا گیا پھر دوسرا حکم دیا گیا کہ اپنی چال میں انکساری میانہ روی اور اعتدال اختیار کرو۔ گفتگو میں بھی کرختگی سے اجتناب کرو۔ تو یہ ہوتے اعمال۔ انسانی زندگی کے عملی پہلو ہیں جو اس رکوع میں آئے ہیں۔

سورۃ العصر میں تیسری چیز تھی تواصی بالحق یہاں اس کے لئے ایک معین اصطلاح آگئی وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ "نیکی کا حکم دو۔ بدی سے روکو" امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہمارے دین کی بڑی اہم اصطلاح ہے۔ ذہن میں رکھیئے کہ اُمت مسلمہ کا تو مقصد وجود اللہ تعالےٰ نے سورہ آل عمران میں اسی اصطلاح کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

"اے مسلمانو! تم وہ بہترین امت ہو جنہیں دنیا والوں کے لئے برپا کیا گیا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ نیکی کا حکم دو۔ بدی سے روکو اور اللہ پر ایمان پختہ رکھو"۔

آخری چیز سورہ والعصر میں تھی وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ یہاں بھی فرمایا: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ۔ اور صبر کرو ان مصائب پر جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے پر تم پر آئیں۔ اس لئے کہ نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا یہ عام طور پر ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں ہوتا۔ اس پر تکالیف آئیں گی۔ مصیبتیں آئیں گی، امتحانات ہوں گے آزمائشیں ہوں گی۔ اب جھیلو۔ اور برداشت کرو اور صبر کرو۔

اس لئے کہ یہ بہت ہمت کے کام ہیں۔

یہ ہے اس رکوع کے مضامین کا خلاصہ جو بہ ادنیٰ تأمل ہمارے سامنے آگیا۔ اب اس سلسلے میں مزید کوئی وضاحت مطلوب ہو تو اس کے لئے میں حاضر ہوں۔

سوال: قرآن میں حجت کے طور پر یہ بات پیش کی گئی ہے کہ دانا شخص یہ کہا کرتے تھے لیکن کفار مکہ تو اس بات پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ پھر ان پر یہ حجت کس طرح قائم ہوئی تھی؟

جواب: اصل میں حجت تو اس پہلو سے ہے کہ جن باتوں کی دعوت قرآن دے رہا ہے یہی باتیں تمہارے ایک مسلّم حکیم اور دانا انسان نے کہی تھیں۔ یہ بالکل ایسے ہے کہ جیسے ہم تقریر کرتے ہیں تو علامہ اقبالؒ کے اشعار Quote کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کو حکیم الامت تسلیم کیا جاتا ہے۔ انکا یہ مقام و مرتبہ مسلّم ہے۔ تو حضرت لقمان کی شخصیت عرب میں ایسی تھی کہ ان کو مانا جاتا تھا کہ یہ ہمارے ایک بڑے حکیم، دانا اور فلسفی انسان گزرے ہیں۔ چنانچہ تقاریر میں اور اشعار میں عرب شعراء اور خطباء انہیں Quote کیا کرتے تھے۔ تو اس طریقے سے گویا قرآن مجید ان کے سامنے یہ بات لا رہا ہے کہ جن امور کی دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں یہ عین عقل و فطرت کے مطابق ہیں اور تمہارے اپنے ایک حکیم اور دانا کی تعلیمات کا لب لباب بھی یہی ہے۔

سوال: اس رکوع میں دھیمے بولنے کی تلقین کی گئی ہے تو ہمارے معاشرے میں دھیمے یا آہستہ بولنے والے کو پسند نہیں کیا جاتا بلکہ تیز طرار اور شوخ لوگوں کو زیادہ Smart اور ذہین سمجھا جاتا ہے آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔

جواب: میرا خیال ہے کہ بعض چیزیں سطحی ہوتی ہیں یا فوری طور پر مؤثر ہوتی ہیں اور کچھ وہ ہوتی ہیں جو مستقل اقدار تسلیم کی جاتی ہیں۔ اگر

آپ جائزہ لیں گے تو ہمارے اس معاشرے میں بھی جو دھیمے لوگ ہیں ٹھنڈے مزاج کے لوگ ہیں وہ بات کریں گے تو عقلی استدلال کے سہارے سے بات کریں گے۔ نہ کہ اپنی آواز کی Volume کو بڑھا کر۔ یہ اصل میں وہ شخص کیا کرتا ہے جیسے یہ محسوس ہو کہ میری بات ہلکی ہے لہٰذا وہ اپنی آواز کا Volume بڑھا کر اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں اس چیز سے روکا گیا ہے وہ بات کرو جو معقول ہو اُسکے لئے خواہ مخواہ بلند آواز کرنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کسی بھی موقعہ پر آواز بلند نہ کی جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں احادیث سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو روایات میں الفاظ آتے ہیں کہ آپؐ کی آواز بہت بلند ہو جاتی تھی آپؐ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتی تھیں۔ آپؐ اس طریقے سے خطبہ دیتے تھے کہ جیسے کوئی کمانڈر اپنی فوج کو لڑنے پر آمادہ کر رہا ہے — لہٰذا اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے محل اور مقام پر ہر چیز اچھی لگتی ہے۔

سوال : ڈاکٹر صاحب! جیسے کہ بعض نصیحتوں میں سے ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ دوسروں کو بھلائی کا حکم دیا جائے لیکن جہاں تک چھوٹوں کا اور اپنی بیوی کا تعلق ہے، ان کو تو ہم حکم دے سکتے ہیں لیکن بڑوں کو اور والدین کو حکم کیسے دیا جا سکتا ہے۔

سوال : یہ بہت صحیح سوال ہے۔ اصل میں جب ہم ایک لفظ کا ترجمہ ایک لفظ سے کرتے ہیں تو امر کا ترجمہ بالعموم ہم 'حکم' کرتے ہیں لیکن عربی زبان میں امر کے معنی مشورے کے بھی ہیں۔ تلقین کے بھی ہیں۔ نصیحت کے بھی ہیں۔ لہٰذا والدین سے بھی کہا جا سکتا ہے۔ اباجان الیبانہ کیجئے۔ یہ بات غلط ہے۔ امی الیبانہ کیجئے۔ یہ معاملہ درست نہیں ہے۔ جیسے قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کی دعوت نقل ہوئی انہوں نے اپنے والد سے خطاب کر کے کہا یَا اَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطَانَ ۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ کَانَ

لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ٥ " ابا جان شیطان کی پیروی نہ کیجئے - بلا شبہ شیطان تو رحمان کا باغی ہے ۔" پس اس طرح خطاب کیا جا سکتا ہے تو امر و حکم ، کے معنی میں وہاں ہوگا جہاں اختیار ہے اور مشورہ اور تلقین کے معنی میں وہاں استعمال ہوگا جہاں اس کا محل و مقام ہے ۔

حضرات ! مطالعہ قرآن مجید کے جس منتخب نصاب کا سلسلہ ان نشستوں میں جاری ہے ، اس کے درس ثالث سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کا جو اصل حاصل ہے اس کا جو اصل سبق ہے ، اس کو ہم نے اس مختصر وقت میں سمجھنے کی کوشش کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حکمت و دانائی سے حصہ وافر عطا فرمائے اور یہ حکمت و دانائی محض ذہن اور فکر کی حد تک محدود نہ ہو بلکہ ہماری سیرت و کردار اور اخلاق و معاملات میں رچ بس جائے اور اس کا ایک حقیقی جزو بن جائے ۔ آمین یا رب العالمین ۔

سلفِ صالحین کے اصول پر

جدید سائنٹفک اسلوب میں

مولانا امین احسن اصلاحی کی شہرہ آفاق تفسیر

تدبّرِ قرآن

کا

۹ جلدوں میں مکمل ایڈیشن شائع ہو گیا ہے ۔

● کاغذ : امپورٹیڈ آفسٹ ● جلد : اعلیٰ ریکسین ڈائی دار ● ہدیہ : ۷۵ روپے فی جلد

تاجران کتب کے لیے معقول کمیشن ۔۔ انفرادی خریداروں کے لیے خصوصی رعایت

ناشر : فاران فاؤنڈیشن ۲۲ فیروز پور روڈ ۔ اچھرہ لاہور ۱۴۔ فون : ۴۱۰۸۴۹

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱ ، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اصلاحِ مُعاشرہ کا انقلابی پہلُو

ڈاکٹر اسرار احمد

کا

ایک فکر انگیز خطاب

(گذشتہ سے پیوستہ)

ترتیب و تسوید: شیخ جمیل الرحمٰن

علاّمہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں :-

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا است او
زندہ و پائندہ و گویا است او

صد جہاں تازہ در آیاتِ اوست
عصرہا پیچیدہ در آنات اوست

اور کس خوبصورتی سے مسلمانوں کو قرآن کے ذریعے ایک عالمگیر انقلاب برپا کرنے کی دعوت دیتے ہیں ۔

بندۂ مومن ز آیاتِ خداست
ایں جہاں اندر براو چوں قباست

چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش

یک جہانے عصر حاضر را بس است
گیر اگر در سینہ دل معنی رس است!

آگے چلئے ۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس انقلاب کے عمل میں دوسری چیز ’تربیت‘ ہے ۔ اور وہ ہر انقلابی فکر کی مناسبت سے ہوگی ۔ اس کیلئے قرآن کی اصطلاح ہے ’تزکیہ‘ — پھر اسی تزکیہ کے ساتھ وہ ملحق کرتا ہے

تعلیم کو۔ میں نے تلاوتِ آیات کے لئے چار آیات کے ابتدائی حصّوں کا حوالہ پیش کیا تھا۔ اب ان چاروں آیات کو سامنے رکھئے تاکہ آگے کی بات کی تفہیم میں آسانی ہو۔ سورہ بقرہ میں (آیت نمبر ۱۲۹) میں دُعائے ابراہیمی و اسمٰعیلی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا
مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيهِمْ ط

اے ہمارے رب! تو مبعوث
فرمائیو ان ہی میں سے ایک رسول
جو اُن کو سنائے تیری آیات اور
اُنہیں تعلیم دے کتاب اور حکمت
کی اور تزکیہ کرے اُن کے قلوب و اذہان کا۔

خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کی دُعا میں 'تزکیہ' کا ذکر بعد میں تھا لیکن اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۵۱ میں جب اس دعا کی قبولیت کا اللہ نے ذکر فرمایا تو اپنے علم کامل کی بنیاد پر ترتیب کو بدل دیا فرمایا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا
مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا
وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ
مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ه

جیسا کہ بھیج دیا ہم نے ایک
رسول تم ہی میں سے جو سناتا
ہے تمہیں ہماری آیات اور
تزکیہ کرتا ہے تمہارا اور تعلیم
دیتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت
کی اور تعلیم دیتا ہے ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

سورہ آل عمران میں یہ مضمون بڑی آن بان کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے اپنے احسان کے طور پر بیان فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ
اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ

بے شک اللہ نے احسان فرمایا
ہے اہل ایمان پر کہ اٹھایا ان
ہی میں سے ایک رسول، ان
ہی میں کا۔ جو سناتا ہے انہیں
اس کی آیات اور تزکیہ کرتا ہے

كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ہ

ان کا اور تعلیم دیتا ہے اُنہیں کتاب اور حکمت کی۔ اگرچہ وہ تھے اس سے قبل کھلی گمراہی میں۔!

آخری بار یہ مضمون سُورۃ جمعہ میں اس طور پر آیا ہے کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب کے چہار گانہ اساسی و بنیادی منہاج کی طرف رہنمائی بڑے واضح انداز میں کر دی گئی۔ فرمایا۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ (رکوع ۱)

وہی ہے (اللہ) جس نے اٹھایا اُمیوں میں ایک رسول ان ہی میں سے جو سناتا ہے انہیں اس کی آیات اور تزکیہ کرتا ہے ان کا اور تعلیم دیتا ہے ان کو کتاب اور حکمت کی۔ اگرچہ وہ تھے اس سے قبل کھلی گمراہی میں۔

—— اور یہاں اس کی اہمیت اس اعتبار سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ سُورۂ جمعہ سے متصلاً قبل سورۃ صف ہے جس کی مرکزی آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کے انقلابی پہلو کو واضح کیا گیا ہے یعنی

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

میں عرض کر رہا تھا کہ انقلاب نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا مرحلہ 'تربیت' ہے جس کے لئے قرآن مجید کی اپنی اصطلاح ہے تزکیہ اور اس کے ساتھ ملحق ہے تعلیم — لہٰذا جان لیجئے کہ اس تزکیہ اور تعلیم کا مرکز و محور اور مدار و مبنیٰ بھی یہی قرآن مجید ہے اور میں نہایت دکھ اور رنج کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اس معاملہ میں قرآن کی ناقدری کا معاملہ ہم نے تقریباً آخری حدود تک پہنچایا ہے۔ ہم نے یہ سمجھا ہے کہ اس اعتبار سے نعوذ باللہ قرآن مجید درخور اعتنا ہے ہی نہیں۔ تزکیہ نفس کے لئے تو ہمیں کہیں نہ کہیں سے بھیک مانگنی

پڑے گی - اس کے لئے طریقے ہمیں دوسروں سے مستعار لینے پڑیں گے چاہے وہ نوافلاطونی نظریات ہوں، چاہے وہ ہندو جوگیوں کی تپسیائیں ہوں اور ان کی ریاضتیں ہوں - چاہے وہ عیسائی راہبوں کی طرح خانقاہوں میں ریاضتیں اور عبادتیں ہوں - حالانکہ قرآن مجید دو مقامات پر یہ کہتا ہے کہ باطنی امراض، جن میں تکبر سب سے بڑا روگ ہے حب مال اور حُبِ جاہ سب سے بڑے روگ ہیں اور ان سب روگوں کو جمع کریں تو وہ اصطلاح بنے گی 'حُبِ دنیا' جیسے فرمایا: بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی - اور كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ - جب تک ان سے سینہ پاک نہیں ہوگا اس وقت تک وہ تربیت حاصل نہیں ہوگی جو انقلاب محمدی کیلئے ضروری ہے - اس کے لئے ذریعہ کیا ہے - ہم اس کی طرف رہنمائی کی جا رہی ہے سورۂ یونس کی آیت ۵۷ میں، فرمایا:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ	"لوگو! تمہارے پاس آگئی ہے
مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ	تمہارے رب کی جانب سے موعظت
شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ	و نصیحت بھی اور جملہ امراض قلبی
	کی شفا بھی -

دوسری جگہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۲ میں فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ	اور ہم قرآن سے جو اتارتے
مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ	ہیں وہ شفاء اور رحمت ہے
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ	ایمان والوں کے لئے -

یہ دونوں آیات میرے نزدیک اس امر پر برہان قاطع ہیں کہ تزکیہ نفوس، تصفیہ قلوب اور تجلیہ باطن درحقیقت ثمرہ ہوتا ہے تلاوت اور تدبر قرآن حکیم کا - قرآن مجید کی اس ناقدری کے اقبال نے جو مرثیے کہے ہیں، ان میں کچھ میں آپ کو آگے سناؤں گا - پہلے اس بات کو ذہن میں لائیے کہ جہاد کی پہلی سطح ہے 'جہاد مع النفس' لہٰذا غور طلب بات یہ ہے کہ اس کی عملی تدبیر کیا ہے - اس مقصد کیلئے آپ قرآن سے رہنمائی چاہیں گے تو

وہ بہ ملے گی کہ وہ ہے قیام اللیل اور تہجد۔ غور کیجئے کہ ان دونوں کا تعلق کس چیز سے ہے ۔ اِاس کی رہنمائی کے لئے سورہ مزمل کی ان آیات پر غور فرمایئے جن میں قیام اللیل کا اور ساتھ ہی وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا کا تاکیدی حکم ہے ۔

یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝

اے چادر میں لپٹنے والے! رات میں قیام کر مگر تھوڑا حصہ، آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر دے یا اس پر کچھ زیادہ کر لے اور قرآن کی تلاوت کو ٹھہر ٹھہر کر۔

اِ ئے جیئے اور سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۷۸ اور ۷۹ ذہن میں لا ئیے، فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ	نماز کا اہتمام رکھو زوال آفتاب
الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ	کے اوقات سے لے کر شب
وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ	کے تاریک ہونے تک اور
الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَ	خاص کر فجر کی قرأت کا بے شک
مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ	فجر کی قرأت بڑی ہی حضوری
نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤی اَنْ	کی چیز ہے اور شب میں بھی
یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا	تہجد پڑھو۔ یہ تمہارے لئے
مَّحْمُوْدًا ۝	مزید برآں ہے ۔

اس آیت کے الفاظ فَتَهَجَّدْ بِهٖ انتہائی قابل غور ہیں ۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن کے تذکرے کے ضمن میں آ گئے جہاں بھی بِهٖ آیا ہے ہمارے متقدمین و متاخرین مفسرین نے اس مقام پر بِهٖ کا کما حقہ حق ادا نہیں کیا ہے ۔ یہاں یہ بِهٖ اصل کانٹے کی بات ہے ۔ تہجد، کا اصل مقصد کیا بیان ہو رہا ہے ۔ قیام میں قرآن کی طویل قرأت ۔ فَتَهَجَّدْ بِهٖ ۔ لیکن ہمارا حال اِلّا ماشاء اللہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے ۔ تہجد پڑھ لی گئی ہے ۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور آٹھ رکعتیں

پوری کرلیں ـــ قرآن کی طویل قرأت سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ پھر بیٹھ گئے اور ضربیں لگائیں کچھ ذکر کیا۔ وظائف کا ورد ہوا اور اس میں سب سے زیادہ وقت لگایا۔ یہ ہے وہ طریقہ جو اکثر تہجد گزاروں میں آیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب اپنے مقام سے اصل شے ہٹے گی تو اس کی جگہ پُر کرنے کے لئے کوئی نئی چیز آئے گی۔ لیکن اس طریقے سے نقصان یہ ہوا کہ نہ قیام اللیل کا اصل مقصد سامنے رہا اور نہ تہجد کا اصل نصاب پیش نظر رہا۔ یا اس پر واقعہ یہ ہے کہ علامہ اقبال نے انتہائی مؤثر اور تعمیری مرثیے کہے ہیں۔ میں ان کا ایسے ہی معترف نہیں ہوں اللہ ہم سب کو شخصیت پرستی سے محفوظ رکھے۔ عمل و کردار کے لحاظ سے علامہ کس مقام پر کھڑے تھے اس کو ایک طرف رکھتے ہوئے میں نے کبھی اس بات کے اظہار میں باک نہیں رکھا ہے کہ:

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس دور کے ترجمان القرآن علامہ اقبال ہیں ـــ وہ بات جو کبھی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کے لئے کہی گئی اور وہ بات جو کبھی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے کہی گئی کہ ؏

ہست قرآں در زبانِ پہلوی

ـــ اس دور میں وہ مقام علامہ اقبال کا ہے کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو۔ چنانچہ ذرا دیکھئے کہ کس کس انداز سے علامہ نے مسلمانوں کی قرآن سے بے اعتنائی اور بے نیازی کا مرثیہ کہا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

با آیاتش ترا کارے جزایں نیست … کہ از یاسینِ او آساں بمیری

پھر ہمارے اہل علم و تصوف کی الا ماشاء اللہ قرآن کی جانب عدم توجہ کی روش سے علامہ کو کس قدر دکھ تھا اس کا ذکر ان کے کلام میں جا بجا موجود ہے جس میں ان کا دل حساس خون کے آنسو روتا نظر آتا ہے ـــ اور کتنی تلخی ہے علامہ کے ان اشعار میں جو میں آپ کو پہلے بھی سنا چکا ہوں انہی کا اعادہ کر رہا ہوں ؎

صوفیٔ پشمینہ پوش حال مست … از شرابِ نغمۂ قوال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش … در نمی سازد بقرآں محفلش

واعظِ دستان زنِ افسانہ بند	معنیٔ اُو پست و حرفِ اُو بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ اُو	با ضعیف و شاذ و مُرسل کارِ اُو

واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں ہمارے اہل تصوف کی الا ماشاءاللہ یہی کیفیت ہے کہ قوالیوں سے حال آتے گا۔ عراقی اور جامی کے اشعار سنیں گے تڑپ اُٹھیں گے۔ لیکن قرآن مجید کا ان کے محفلوں میں گزر نہیں ہوگا اس سے کوئی سروکار ہی نہیں ہوگا قرآن کی تلاوت یا قرأت سے ان کے دل میں گداز پیدا نہیں ہوگا۔ حالانکہ دلوں کے امراض اور شیطان کے وسوسوں اور ترغیبات کے ختم کرنے کے لئے اصل شمشیر دراصل قرآن ہی ہے۔ کیا پیاری بات کہی ہے علامہ نے ؎

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است	زانکہ اُو گم اندر اعماقِ دل است

اس شعر میں علامہ نے اس حدیث کی ترجمانی کی ہے کہ: انّ الشیطٰن یجری من الانسان مجری الدم شیطان کو کہاں مارو گے، کیسے اُسے قتل کرو گے! شیطان تو انسان کے وجود میں ایسے سرایت کرتا ہے جیسے خون ــ اگلے شعر میں علامہ شیطان کو قتل کرنے کی وہ تدبیر بتاتے ہیں جو انہوں نے اختیار کی ہے:-

خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی	کشتۂ شمشیرِ قرآنش کُنی

تزکیہ کا اصل ذریعہ اور امراض قلبیہ و صدریہ کے لئے اصل تلوار یہ قرآن مجید ہے۔ جملہ امراض ذہنی کے لئے بھی اصل تلوار قرآن کی آیاتِ بینات ہیں لہٰذا نفس کے تمام روگوں کے لئے بھی اصل مداوا، اصل شفا اور اصل علاج قرآن مجید ہی ہے ــ امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قلوب پر جو زنگ آجاتے ہیں اس کے دو علاج ہیں۔ ایک موت کی بکثرت یاد اور دوسرا قرآن مجید کی تلاوت، حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

ان ھذہ القلوب تصدأ	بنی آدم کے قلوب بھی اسی طرح
کما یصدأ الحدید اذا	زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے

اصابہ الماء - قیل یارسُول اللہ ما جلاءھا - قال کثرۃ ذکرالموتِ و تلاوۃ القرآن -	لوہا پانی پڑنے سے، دریافت کیا گیا، حضور! اس زنگ کو دور کس طرح کیا جائے فرمایا، موت کی بکثرت یاد اور قرآن مجید کی تلاوت -

انسان کے قلب کے زنگ آلود ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں کبر و عجب ڈیرہ ڈال لے - اس میں حب دُنیا براجمان ہو جائے اس میں حسد اپنے پنجے گاڑ لے تیز قلب اسی نوع کے مفاسد کی آماجگاہ بن جائے تو ان تمام روگوں سے دل کو صیقل کرنے کے دو ذرائع ہیں - ایک موت کی بکثرت یاد دوسر تلاوتِ قرآن - گویا یہ حدیث سے بھی واضح طور پر مترشح ہوتا ہے - تزکیہ نفس کا منصوص و ماثور طریقہ تلاوت قرآن مجید ہی ہے -

یعنی ایک انقلابی نظریہ اور فکر - پھر اس کے مطابق تربیت و تزکیہ پس جان لیجئے کہ یہ دونوں مرحلے جو ہر انقلاب کے لئے Pre - requisite ہیں جن کے بغیر کوئی انقلابی جدوجہد ناقابلِ تصور ہے - تو اسلامی انقلاب جس کا مقصود ہے - لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ جس کو اقبال نے کہا ہے

کس نباشد در جہاں محتاج کس   نکتہ شرع مبیں این است و بس

در اصل اسلام ہی وہ دین (نظام زندگی) ہے جس میں تمیز بندہ و آقا موجود ہی نہیں ہے - اس کے لئے جو انقلابی جدوجہد درکار ہے اس کے پہلے جو دو قدم یعنی انقلابی فکر و نظریہ اور تربیت و تزکیہ، تو ان کے لئے مبنیٰ و مدار و مرکز اور محور (Axis) اس کا ذریعہ اور اس کا وسیلہ صرف اور صرف قرآن مجید ہے - اگر اس بات کو حرز جاں نہ بنایا گیا تو پھر ہوگا یہ کہ اسلام کی راہ ہموار ہونے کے بجائے کسی اور کا کام ہو جائے گا کوئی وقتی سا نعرہ ہو اور اس مصرع کے مصداق کہ ع "سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو" - کہیں سے کوئی ہو پھر آئے اور لوگ پھر اٹھ کھڑے ہوں لیکن اس سے وہ کام نہیں بنے گا جو مطلوب اور پیشِ نظر ہے - یعنی اسلامی انقلاب کے

کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے قرآن کے انقلابی ہونے کے اعتبار سے

تبلیغ و دعوت ادراسی فکر کے تقاضوں کے اعتبار سے تزکیہ و تربیت ہیں۔
بقول علامہ اقبال رح

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہی طریقہ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔ "چوں بجاں در رفت" کے مصداق قرآنِ حکیم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باطن میں سرایت کر گیا اور اُن کے اذہان و قلوب اس کے نور سے منور ہو گئے تو ان رض کی زندگیوں میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا۔ ان کی سوچ بدل گئی، ان کا فکر بدل گیا ان کے عقائد بدل گئے، ان کی اقدار بدل گئیں، ان کے عزائم بدل گئے ان کے مقاصد بدل گئے ان کی آرزوئیں بدل گئیں، ان کی تمنائیں بدل گئیں، ان کے دن بدل گئے، ان کی راتیں بدل گئیں، ان کی صبحیں بدل گئیں، ان کی شامیں بدل گئیں ان کی زمین بدل گئی ان کا آسمان بدل گیا۔ یہاں تک کہ اگر پہلے زندگی عزیز تھی تو اب موت عزیز تر ہو گئی اور کیفیت یہ ہو گئی کہ : ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اور اس قوم کا جس کے بعض قبیلوں کا پیشہ؛ لوٹ مار تھا اور جو اَن پڑھ اور امی تھے اس قوم کا حال یہ ہو گیا کہ ؎

رہزناں از حفظ اُو رہبر شدند از کتابے صاحبِ دفتر شدند

(جاری ہے)

بقیہ : رفتارِ کار

، دو بھائی بھی تشریف فرما تھے۔ انہیں خصوصی طور پر تعاون کے لئے کہا گیا۔ کچھ ال و جواب کی مجلس بھی رہی جس میں میں حتی الوسع جواب عرض کرنے کی کوشش نا رہا۔ عصر کے قریب ہم اس مبارک مجلس سے اجازت طلب کر کے واپس عازم ملتان ئے کیونکہ اور کوئی راستہ لاہور آنے کے لئے اس سے بہتر نہیں ہے۔ ½ ۵ بجے شام ن پہنچے اور رات آٹھ بجے لاہور کے لئے روانہ ہو کر صبح ۳ بجے کے قریب گھر پہنچ گئے۔

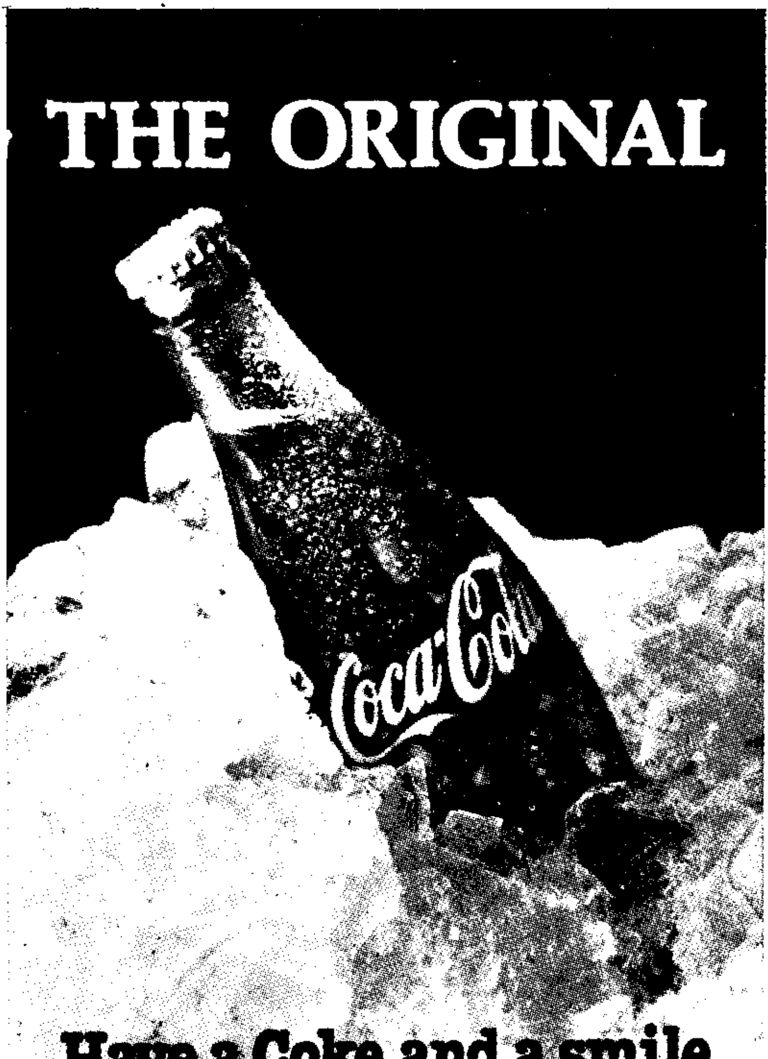
THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY
THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.

paragon

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفتارِ کار

راولپنڈی/اسلام آباد

یکم اگست ۱۹۸۳ء امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رفیق محترم ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب اور راقم الحروف صبح نو بجے راولپنڈی کے لیے بذریعہ کار روانہ ہوئے دوران سفر گیارہ بجے گجرات کے قریب چائے وغیرہ پی اور گوجر خاں دوپہر کا کھانا کھایا اور تقریباً تین بجے بعد دوپہر سوان کیمپ پہنچے۔ مغرب سے ایک گھنٹہ قبل کمیونٹی سنٹر اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ چونکہ وہاں انجمن اور تنظیم کے تمام ساتھیوں سے ملاقات طے تھی۔ زیرو پوائنٹ پر پہنچے تو گہری گھٹائیں آسمان پر چھا گئیں اور کمیونٹی سنٹر پہنچے تو تیز بارش نے شاندار استقبال کیا۔ بہرحال تنظیم اور انجمن کے تمام ساتھی موجود تھے۔

شدید بارش کے باوجود درس کے وقت تقریباً دو سو تک حاضری ہوگئی۔ آج ڈاکٹر صاحب کی تقریر پر انذار کا رنگ بہت غالب رہا۔ پاکستان کے جواز اور اس کے استحکام پر مفصل گفتگو سے آغاز فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ کی صدا بلند کی اور محاسبہ خداوندی سے پہلے پہلے فرمان نبوی حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُحَاسَبُوْا کے مصداق اہل وطن کو اپنی کرتوتوں کا خود محاسبہ کرنے اور اللہ کی جناب میں تائب ہونے کی دعوت دی

شام کا کھانا رفیقِ محترم جناب اکرم واسطی صاحب کے ہاں کھایا اور سوان کیمپ آکر قیام کیا۔

اگلے روز بعد نماز مغرب فری لینڈ ہائی سکول میں اجتماع رفقائے تنظیم اسلامی ہوا۔ تمام رفقاء نے نماز مغرب امیر محترم کی اقتدا میں ادا کی۔ حاضری کے جائزے کے بعد رفقاء سے تفصیلی تعارف حاصل کیا گیا اور غیر حاضر رفقاء کے

بارے میں امیر محترم نے ہدایت کی کہ جو لوگ سرے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ان کے نام مرکز کو بھیجے جائیں۔ تاکہ ان کا اخراج عمل میں لایا جائے۔ ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب نے تنظیم کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور پابندیٔ تنظیم کی ترغیب و تشویق دلائی۔ اس موقع پر گومل یونیورسٹی لاء کالج کے ایک لیکچرار فرمان علی صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی اور لاہور آکر بیعت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

از: قمر سعید قریشی
قیم تنظیم اسلامی

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ صوبہ سندھ

تنظیم اسلامی کے رفقاء اپنے اللہ سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کے لیے مقامی طور پر حسبِ استطاعت دعوتِ دین کے پروگرام کرتے رہتے ہیں اور اس عہد کی یاد دہانی کے لیے وقتاً فوقتاً امیر تنظیم اسلامی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جن کے ید اقدس پر انہوں نے سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت مسنونہ کی ہوئی ہے، کو بھی اپنے ہاں مدعو کرتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلے کی کڑی امیر محترم کا حال کا صوبہ سندھ کا دورہ تھا جو پانچ ایام پر مشتمل تھا۔ ان ایام میں حیدر آباد اور کراچی میں امیر محترم کی مصروفیات کی رپورٹ حسب ذیل ہے:-

حیدر آباد

۷ اگست کو امیر محترم بذریعہ تیز رو ۲ بج کر ۵۳ منٹ کی بجائے شام کو ۶ بج کر ۵۴ منٹ پر حیدر آباد پہنچے۔ اس تاخیر کا سبب کسی بیان کا محتاج نہیں۔ ہمارے ملک کا ہر ہر فرد آئے دن کی ایسی ہی بے قاعدگیوں کے اسباب سے بخوبی واقف ہے۔ بس اللہ ہی ہمیں محفوظ رکھے ورنہ اپنی رسوائی اور ذلت کے وہ سارے اسباب و علل ہم نے پیدا کر دیئے ہیں جن کے بعد کسی قوم کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے" اللھم لا تھلکنا بسوء

اعمالنا" حیدرآباد میں قیام کا انتظام رئیس بلدیہ حیدرآباد جناب مولا" سید وصی مظہر ندوی مدظلہ العالی نے فرمایا تھا۔ طبع شدہ پروگرام کے مطابق مسجد دارالعلوم لطیف آباد نمبر ۱ میں بعد نماز عشاء سورہ الصف کا درس ہوا۔ اس موقعہ پر مسجد دارالعلوم کی انتظامیہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جس نے پروگرام کے انعقاد میں ہر ممکنہ معاونت کی۔ اس پروگرام کی اشاعت کے لیے تنظیم اسلامی کراچی نے بھی حسب استطاعت حصہ لیا۔ ظفر عزیز صاحب جن کا تعلق حیدرآباد سے ہے اور آج کل حصول علم کے سلسلے میں ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی میں زیر تعلیم ہیں۔ دو سرے دو رفقاء محمد رفیق صاحب اور محمد طاہر صاحب (یاد رہے ان دونوں حضرات کا تعلق بھی حیدرآباد سے ہے) کی معیت میں کثیر تعداد میں کراچی سے پوسٹرز اور بینرز لے کر پہلے ہی حیدرآباد چلے گئے تھے۔ انہوں نے شہر کے اہم مقامات میں پوسٹرز چسپاں کر دیئے تھے اور نمایاں مقامات پر کپڑے کے بڑے بینرز بھی آویزاں کیے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ قرآن حکیم کی تعلیمات سے مستفید ہونے کے لیے پروگراموں میں شرکت کر سکیں۔ اس کے علاوہ چند رفقاء مکتبہ لے کر بھی پہنچ گئے تھے اور مسجد دارالعلوم کے باہر مکتبہ بھی لگایا گیا۔ حاضری کافی حوصلہ افزا تھی۔ مسجد کا ہال بھر جانے کے بعد صحن میں بھی سامعین کافی تعداد میں موجود تھے۔

۸ اگست کو دوپہر بارہ بجے بلدیہ ہال میں سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲، ۱۰۳ اور ۱۰۴ پر مشتمل درس قرآن ہوا۔ جس میں امیر محترم نے آیات مذکورہ کے حوالے سے پہلے بندگی رب پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا" اللہ کا بندہ ہونے کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی پوری زندگی میں اللہ کی مکمل اطاعت کرے۔ تعبدی امور کے ساتھ اپنے تمام معاملات بھی اسی کے احکام کے تابع رکھے۔ حلال و حرام کی جو حدود و قیود اس تعالیٰ نے قائم کر دی ہیں، ان سے سرمو تجاوز نہ کرے۔ مسلمانوں کی وحدت ملی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لیے قرآن حکیم ہی واحد اساس ہے۔ یہی وہ حبل اللہ المتین ہے جس سے تمسک کے بعد ہی مسلمان اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل

کر سکتے ہیں۔ اور اس سے روگردانی کی صورت میں عذاب میں جھونک دیئے جائیں گے۔ اس کی سزا دنیا میں ہمیں نقد اس طرح بھی مل رہی ہے کہ ہر طرف سے امتِ مسلمہ ذلت اور پھٹکار کا نشان بن گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے فرض منصبی یاد دلاتے ہوئے امیر محترم نے آیت ۱۰۴ کی روشنی میں فرمایا "تم کو خیر امّت نوع انسانی کے لیے قرار دیا گیا ہے۔ تمہاری غایت تاسیس پوری نوع انسانی کے لیے ہے۔ ان کی فلاح و بہبود کی خاطر تمہیں برپا کیا گیا ہے۔ اب یہ تمہاری ذمّہ داری ہے کہ تم معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو اور نظام عدل قائم کرو۔

بلدیہ ہال میں حاضری کا یہ عالم تھا کہ ہال اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگ دکھائی دے رہا تھا۔ جب سارا ہال کھچا کھچ بھر گیا تو حاضرین کی اچھی خاصی تعداد باہر کھڑی پورے انہماک کے ساتھ مردِ قلندر کا جھنجوڑنے والا بیان سن رہی تھی۔

دوپہر کے طعام کا انتظام رفیق محترم جناب غیاث الدین صاحب نے کیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے امیر محترم کے خطاب کے لیے بھی اپنے طور پر پروگرام طے کر لیا۔ چنانچہ ان کے زیرِ اہتمام بعد نمازِ عصر قرآن حکیم کی انقلابی دعوت اور ہمارے دینی فرائض" کے عنوان سے ایک جامع خطاب فرمایا۔ معیّنہ پروگرام کے علاوہ انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ جناب واحد بخش صاحب سابق ڈائریکٹر سندھ ایجوکیشن نے امیر محترم کو اپنی انگریزی کتاب کی فوٹو کاپی پیش کی۔ موصوف اس کتاب کو مزید چھپوانا چاہتے ہیں۔ اسی طرح مولانا فضل احمد غزنوی مدظلہ العالی نے بھی اپنی تفسیر کی ایک جلد امیر محترم کو پیش کی۔ واضح رہے کہ مولانا فضل احمد غزنوی صاحب نے قرآن کی چار جلدوں پر مشتمل تفسیر لکھی ہے جس کا ترجمہ بقول اُن کے چار زبانوں میں ہو چکا ہے۔

ملک کے نامور اخبار روزنامہ "جسارت" اور "نوائے وقت" کے نمائندے بھی بغرض انٹرویو امیر محترم سے ملے۔ اپنی شدید مصروفیت کے باوجود امیر محترم نے مذکورہ نمائندوں کو یکے بعد دیگرے انٹرویو دیئے۔

پروگرام کے مطابق آج بھی نماز عشاء کے بعد مسجد دارالعلوم میں سورۃ

الصف کا درس ہوا جس میں امیر محترم نے اس سورۃ مبارکہ کی روشنی میں جس کو جہاد کے موضوع پر ذروۃ السنام کی حیثیت حاصل ہے مسلمانوں کی اجتماعی جدوجہد پر شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا۔ حاضری پہلے سے زیادہ تھی۔

۹ر اگست کو جناب ظفر عزیز صاحب رفیق تنظیم اسلامی کے مکان ۹۔ڈی لطیف آباد پر سوال وجواب کی نشست ہوئی۔ تقریباً ۸۰ افراد نے شرکت کی۔ الحمدللہ سوال وجواب کے بعد ۱۷ افراد نے امیر محترم کے ہاتھ پر جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت کی۔ ان ۱۷ خوش نصیب افراد میں ایک خاتون بھی شامل ہیں۔ اسی نشست کے ساتھ حیدرآباد کا پروگرام اختتام پذیر ہوا اور تقریباً ۱۲½ بجے دوپہر امیر محترم عبدالواحد عاصم صاحب قیم تنظیم صوبہ سندھ کی معیت میں بذریعہ کار کراچی کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں ڈاکٹر فرحت برنی صاحب بھی امیر محترم کے ہمراہ تھے۔ کراچی میں حسبِ سابق امیر محترم کا قیام عبدالواحد صاحب کے گھر پر تھا۔

کراچی

۹ر اگست کو بعد نمازِ مغرب مسجد جامع الصفا واقع لیاقت آباد عقب الاعظم سکوائر میں دو روزہ درس قرآن کے پروگرام کا آغاز ہوا جس میں سورۃ احزاب کا تیسرا رکوع درس کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ پہلے دن بجلی کی رسد مغرب کی نماز سے پہلے منقطع ہوگئی اور سوا گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ امیر محترم کے پروگرام میں عام طور پر معمول یہ ہوتا ہے کہ جس سورۃ یا آیت کا درس دینا ہو تو اس کا عربی متن فوٹو اسٹیٹ کروا کر حاضرین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تاکہ دوران درس متن پر نگاہ رہے۔ لیکن بجلی نہ ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ نہ ہو سکا۔ ادھر مسجد حاضرین سے بھر چکی تھی اور لوگ اس گرمی اور حبس کے عالم میں امیر محترم کو سننے کے لیے بے تاب تھے۔ چنانچہ امیر محترم نے اللہ کا نام لے کر بغیر لاؤڈ اسپیکر کے خطاب کا آغاز کیا۔ آپ نے ابتدا میں فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب لاؤڈ اسپیکر سرے سے نہیں تھا۔ پھر بھی دین کا کام ہوتا تھا۔ ہمیں بھی ان مادی چیزوں پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ مسلسل خطابات کی وجہ سے آپ کے گلے کی حالت انتہائی خراب تھی لیکن اللہ تعالیٰ

جب اپنا کام کروانا چاہیں تو وہ بحسن وخوبی ہو جاتا ہے۔ باوجود گلے کی خرابی کے اللہ تعالیٰ نے آواز میں ایسا اثر پیدا فرمایا کہ مسجد کے وسیع وعریض ہال میں ہر جگہ تک امیر محترم کی آواز سنائی دے رہی تھی بلکہ صحن میں بیٹھے ہوئے حضرات کا کہنا تھا کہ آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی اور اسپیکر کی کمی کا ذرا احساس تک نہیں ہوا۔

سورۃ احزاب کی آیت "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" الآیہ۔ کی روشنی میں مطالبات دین پر خطاب فرمایا۔ کوئی آدھ گھنٹے تک تو بغیر اسپیکر کے ہی امیر محترم بولتے رہے۔ اس کے بعد سامعین میں سے کسی مردِ مجاہد نے جنریٹر کا انتظام کر لیا اور پھر اسپیکر پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں مذکورہ آیت کی روشنی میں خطاب مکمل فرمایا۔ اس موقع پر ہم جنریٹر کا انتظام کرنے والے صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

دوسرے دن یعنی ۱۰ اگست کو بھی امیر محترم نے سورۃ احزاب کے تیسرے رکوع کی روشنی میں مفصل خطاب فرمایا۔ مطالباتِ دین، یعنی بندگی ربّ، شہادت علی الناس اور اقامت دین کی تکمیل کے لیے جو لوازمات ہیں، اُن پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ یوں دو دن میں ہماری دینی ذمہ داریاں اور اُن کو پورا کرنے کے لیے بنیادی شرائط کھول کر بیان کیے گئے۔

۱۱ اگست کو بعد نمازِ فجر محمدی مسجد میں سورۃ حجرات کی آیات نمبر ۱۴ اور ۱۵ کا درس ہوا۔ امیر محترم نے اپنے اس مختصر مگر جامع درس میں اسلام اور ایمان، ایمان قانونی اور ایمان حقیقی کو واضح انداز میں پیش فرمایا۔ تقریباً ساڑھے نو بجے دفتر تنظیم اسلامی میں سوال وجواب کی نشست ہوئی۔ اس کے بعد چار افراد نے امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سہ پہر چار بجے رفقائے تنظیم کی امیر محترم کے ساتھ ملاقات تھی۔ باہم تبادلۂ خیالات کا یہ سلسلہ کوئی ایک گھنٹہ جاری رہا۔ اس نشست میں بھی دو افراد نے بیعت کی۔ نماز عصر کے بعد امیر محترم عبدالواحد عاصم صاحب کی معیت میں ایئر پورٹ روانہ ہوئے۔

اس طرح امیرِ محترم کی مصروفیات اختتام پذیر ہوئیں۔
(ضمیر اختر)
برائے عبدالواحد عاصم قیم تنظیم اسلامی صوبہ سندھ

دیگر تنظیمی سرگرمیاں

ضمیر اختر خان صاحب کراچی کی تنظیم سے منسلک ہیں۔ آبائی طور پر ان کا تعلق آزاد کشمیر سے ہے۔ عید الفطر کے موقع پر وہاں جانا ہوا تو وہاں انہوں نے بھرپور دعوتی کام کیا۔ جب انسان میں حقیقی جذبہ ہو تو کام کے مواقع خود فراہم ہو جاتے ہیں۔ ان کی رپورٹ ہمارے نوجوان رفقاء کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اسی خیال سے اسے شاملِ میثاق کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

روداد آزاد کشمیر

عید الفطر والدین کے ساتھ منانے کے لیے ۲۵ رمضان المبارک کو راقم کراچی سے آزاد کشمیر کے لیے عازمِ سفر ہوا۔ دورانِ سفر ایک حادثہ پیش آیا جس کے نتیجے میں راقم کے دونوں پاؤں شدید زخمی ہو گئے۔ لہٰذا اپنے آبائی گاؤں پہنچنے تک کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تاہم ایک اطمینان تھا کہ یہ سب کچھ خالق و مالک کے اذن سے ہی ہوا ہے بفحوائے آیتِ قرآنی "مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ" الآیۃ
گھر پہنچ کر کچھ دن زیرِ علاج رہا۔ اسی دوران عید الفطر کا دن آ گیا۔ عید کے دن بھی طبیعت تو آمادہ نہیں تھی کہ عید گاہ تک جاؤں لیکن اپنے آپ پر جبر کر کے نمازِ عید ادا کرنے کے لیے عید گاہ پہنچا۔ عید کی نماز سے قبل امام صاحب نے اپنے مختصر خطاب کے بعد مجھے اظہارِ خیال کی دعوت دی۔ ناسازیٔ طبیعت کے باوجود اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سورۃ العصر کی تلاوت کی اور اس کی روشنی میں گفتگو کا آغاز کیا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ تقریباً ۴۵ منٹ میں ایمان، اعمالِ صالحہ، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پر حاضرین کے فہم و سمجھ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی معروضات مکمل کیں۔
کوشش یہ رہی کہ حاضرین کو ایسی مثالیں دے کر سمجھایا جائے جن سے وہ

مانوس ہوں۔ چنانچہ ان چار بنیادی لوازمات کو جن پر ایک انسان کی کامیابی کا دار و مدار ہے آج کل کے مروّجہ نظامِ امتحان سے جو تعلیمی اداروں میں اپنایا جاتا ہے مثال دے کر سمجھایا کہ جس طرح ایک سو نمبر کا پرچہ ہے تو اس میں پاس ہونے کے لیے ۳۳ نمبر حاصل کرنے ضروری ہوتے ہیں۔ اس سے کم پر کوئی طالب علم پاس نہیں ہوتا۔ بعینہٖ آخرت میں کامیابی کے لیے کم سے کم نمبر (MINIMUM MARKS) ایمان کے بعد تین چیزوں یعنی اعمال صالحہ، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پر عمل پیرا ہونے ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کے عام فہم اور سہل انداز میں ایک احساس اُجاگر کرنے کی کوشش کی تاکہ ان میں کوئی تحریک پیدا ہو۔ چنانچہ حاضرین کے چہروں کے تاثرات سے ایسا محسوس ہوا کہ سامعین مزید کچھ سننا چاہتے ہیں۔ وقت محدود تھا اس لیے کہ نماز عید بھی ادا کرنی تھی۔ یہ سلسلہ تقریباً پونے دس بجے تک جاری رہا۔ اب مناسب تھا کہ ان کے سامنے کچھ عملی باتیں بھی کی جائیں۔ پانچ منٹ کی اجازت چاہی تاکہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ بیان کیا جائے۔ چند نوجوانوں نے پُر جوش انداز میں کہا کہ آپ جتنے وقت میں اپنی گفتگو ختم کر سکتے ہیں اتنا وقت لیں۔ مگر امام صاحب نے از راہِ کرم فرمایا "چلو دس منٹ مزید لے سکتے ہیں۔" گنجائش ہی اتنی تھی۔ دس منٹ میں راقم نے منضبط طریقے سے مذکورہ فرائض کو پورا کرنے کے لیے اجتماعی جدوجہد کا مختصر سا خاکہ حاضرین (مصلین عید) کے سامنے پیش کیا۔ اس کا اثر اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سے یہ ہوا کہ نماز عید کے بعد چند نوجوان راقم سے علیحدہ ملے اور اسی نہج پر منظم کام کے آغاز کا عزم ظاہر کیا۔ ان کے جذبات کو سراہتے ہوئے ان سے عرض کی کہ فی الحال کچھ تنظیم کی کتب کا مطالعہ کریں تاکہ مزید وضاحت ہو جائے اور پھر اس کام کا آغاز کیا جائے۔ اس موقعہ پر انہیں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" نامی کتابچہ بھی دیا جو راقم خاصی تعداد میں اپنے ساتھ کراچی سے لے گیا تھا۔ اس کے علاوہ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دوسری کتب کے سیٹ بھی ساتھ لے گیا تھا۔

مندرجہ بالا سطور میں جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اس کو تنظیم اسلامی کی ضلع

پونچھ کی تحصیل دھیرکوٹ میں دعوتی سرگرمیوں کا نقطہ آغاز کہا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد عید کے ایام میں گھر پر آنے والے حضرات سے دعوتی گفتگو ہوتی رہی۔ گفتگو کے بعد تعلیم یافتہ نوجوانوں کو کتب بھی پڑھنے کے لیے دیتا رہا۔ اب صحت بحال ہو رہی تھی اور چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو مختلف مقامات پر عام اجتماعات (PUBLIC GATHERINGS) میں بھی شرکت کی۔ ان مقامات پر بھی دعوتی نوعیت کی گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ ایک تقریر اپنے سابقہ اسکول میں بھی کرنے کی سعادت حاصل کی۔ جہاں سے راقم نے میٹرک پاس کیا تھا۔ اس اجتماع کے بعد عام لوگوں میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" نامی کتابچہ تقسیم کیا اور اپنے اساتذہ کو "حکمتِ قرآن" کا خصوصی شمارہ بھی پیش کیا۔ میرے اساتذہ میں سے دو امیرِ محترم سے ٹی۔ وی کے پروگرام "الہدیٰ" کے توسط سے متعارف ہیں۔ انہوں نے امیرِ محترم کے لیے تعریفی کلمات کہے۔ ان کے اسمائے گرامی جناب زاہد ہاشمی صاحب اور سید ناظم حسین شاہ صاحب ہیں۔

اب روزانہ کا ایک معمول سا بن گیا کہ کہیں نہ کہیں کسی ایسے مقام پر حاضر ہوتا جہاں لوگوں سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں ملاقات ہو سکے۔ اسی سلسلے میں جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ بیس لگلا نامی ایک گاؤں میں جو اب تقریباً شہر میں تبدیل ہو چکا ہے اور ہمارے گاؤں سے قریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے، قومی سطح پر ٹورنامنٹ ہو رہے ہیں تو وہاں بھی جانے کا ارادہ کیا۔ حسنِ اتفاق سے وہاں جب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ ٹورنامنٹ میرے ایک استاد اور گورنمنٹ ہائی سکول ملوٹ جو متذکرہ گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پر ہے، کے ہیڈ ماسٹر جناب الطاف سالک صاحب کی سرپرستی میں ہو رہے ہیں۔ امید کی ایک کرن نظر آئی کہ جس مقصد کے لیے یہاں حاضر ہوا ہوں انشاء اللہ کسی حد تک پورا ہو جائے گا۔ لیکن وہاں کا نقشہ قدرے مختلف سامنے آیا۔ وہ اس طرح کہ کھیل میں شرکت کرنے والی ٹیمیں زیادہ تھیں اور پورا دن کھیل جاری رہا۔ اس صورت حال میں ایسے لمحے کا انتظار تھا کہ اساتذہ سے ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ جب نمازِ ظہر کے لیے وقفہ ہوا تو اساتذہ سے مسجد میں ملاقات ہوئی۔ نماز

کے بعد ان کی معیت میں قریب ہی بلیس لگلا کی دینی درسگاہ میں چلے گئے جہاں چائے کا بھی انتظام کیا گیا۔ اسی اثناء میں مجھے اپنے اساتذہ سے گفتگو کا موقعہ ملا۔ تنظیم اسلامی کا نقطہ نظر اُن کے سامنے پیش کیا۔ الحمدللہ مجموعی طور پر اساتذہ خوش ہوئے اور ہیڈ ماسٹر صاحب موصوف جن کی SUPERVISION میں کھیل ہو رہے تھے، نے تنظیم اسلامی کی دعوت کو سراہا۔ اُن کے انگریزی کے چند جملے جو انہوں نے راقم کے لیے کہے، اُن کا مفہوم نقل کرنے سے قبل اپنے فریب نفس اور شیطان لعین کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

اللّٰھم انی أعوذ بك من شرور نفسی و أعوذ بك من الشیطان اللّعین الرّجیم۔

آپ کے جملوں کا مفہوم یہ تھا:۔

We are very happy to hear your dynamic thoughts. We hope you will succeed in your mission. more-over, we assure you of our co-operation by all means. May Allah grant you success in your mission and guide you to the straight path.

Ameen.

اس مختصر سی تقریب جس میں راقم نے اساتذہ کو ایک نوعیت کا پیغام دیا، کے بعد انگریزی کے کتابچے جو کراچی سے ساتھ لے گیا تھا ہیڈ ماسٹر صاحب کو پیش کیے اور ان سے درخواست کی کہ وہ دوسرے اساتذہ تک بھی پہنچائیں۔ ایک سنہری موقعہ اور ملا جس میں اپنے نقطۂ نظر کو بیان کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک جلسہ عام تھا جو ردِ قادیانیت اور ردِ شیعیت کے سلسلے میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس میں راقم کو تقریر کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ یہاں علماء کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جو متذکرہ موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے بلکہ دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے۔ البتہ وقت کی قید تھی کہ ہر مقرر کو سوائے ایک مقرر کے جن کو آخر میں خطاب کرنا تھا۔ صرف آدھے گھنٹے میں تقریر ختم کرنا ہوگی۔

یہاں مناسب ہے کہ آخری مقرر کا تھوڑا سا تعارف ہو جائے۔ آپ کا اسمِ گرامی جناب خورشید انور صاحب ہے۔ آپ ایک عالمِ دین ہیں اور آج کل زنگلا کی جامع مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے لاہور میں دارالعلوم نعیمیہ سے علمِ دین میں سند حاصل کی ہے۔ آپ طالب علمی کے دور سے ہی امیرِ محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے متعارف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "لاہور میں قیام کے دوران ڈاکٹر صاحب موصوف کا جہاں کہیں درسِ قرآن ہوتا تھا میں اس میں ضرور شرکت کرتا تھا اور اسی وقت سے ڈاکٹر صاحب کے نقطۂ نظر سے متاثر ہوں"۔ چنانچہ آج کل مولانا موصوف جس انداز سے توحید و سیرت نبویؐ کو بیان کرتے ہیں اسی طرح اگر مذکورہ دارالعلوم سے فراغت پانے والا ہر عالم بیان کرے تو موجودہ فروعی اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

وقت کی تنگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے راقم نے اس آدھے گھنٹے کا استعمال اس طرح کیا کہ تقریباً ۲۵ منٹ میں تنظیمِ اسلامی کی اساسی دعوت پر متعلقہ آیات قرآنی کی روشنی میں اپنی گفتگو کسی حد تک مکمل کر لی۔ آخر میں قادیانیت اور شیعیت کے بارے میں اپنی رائے پیش کی۔ اس میں راقم کا نقطہ یہ تھا کہ اگر دین غالب، قائم اور نافذ ہو تو چاہے قادیانی فتنہ ہو یا شیعیت، سارے فرو ہو سکتے ہیں۔ چونکہ اس وقت دین بالفعل قائم نہیں ہے اس لیے ان فتنوں کو پنپنے کا موقع مل رہا ہے۔ اگر دین کو قائم کرنے کی ہم نے جدّ و جہد نہ کی تو یہی نہیں بلکہ اور کئی طرح کے فتنے بپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس گفتگو کے بعد بھی چند احباب نے ملاقات کی اور مزید معلومات حاصل کیں۔ جن حضرات نے اس طرح کی دلچسپی لی انہیں اپنی اجتماعی جدوجہد سے آگاہ کیا جس کے لیے تنظیمِ اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ مزید برآں جلسے کے اختتام پر علماء حضرات میں سے بعض کو "دعوت رجوع الی القرآن"، "حکمت قرآن" کا شمارہ پیش کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی آراء سے ہمیں نوازیں۔

اِدھر ۲۶ جولائی کو کراچی سے ایک ٹیلی گرام موصول ہوا جس میں ۳ اگست سے پہلے میری واپسی کا تقاضا تھا۔ اس طرح یکم اگست کو واپسی کا پروگرام طے ہوا۔ واپسی سے دو دن قبل اُن نوجوانوں کو اپنے محلّے کی مسجد میں مدعو کیا جو عید الفطر

کے دن کافی جوش وخروش دکھا رہے تھے۔ ان کے سامنے بحیثیت "مسلمان" ہماری دینی ذمہ داریاں" واضح کرنے کی کوشش کی اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اجتماعی جدوجہد کے حوالے سے تنظیم کی اہمیت بھی واضح کی۔ ان حضرات میں سے چھ نوجوان آگے بڑھے اور اپنے آپ کو جماعتی تنظیم میں منسلک کرنے کے لیے پیش کیا اور عہد نامہ رفاقت پڑھا۔ ان چھ افراد میں ایک ہائی سکول رنگلا کے مدرس ہیں اور دو طالب علم۔ بقیہ نوجوانوں میں ایک راقم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ان افراد کی تربیت اور انہیں تنظیم کا پابند بنانے کے لیے مدرس موصوف کو راقم نے اپنی صوابدید پر ناظم مقرر کیا۔ کیونکہ یہی پابند سنت شخص تھے۔ میری حقیر رائے یہ ہے کہ امیر محترم کسی ایسے رفیق کو ان نوجوانوں کی تربیت کے لیے مامور فرمائیں جو مہینے میں کم از کم دو مرتبہ ان کی خبر گیری کے لیے آزاد کشمیر جائے۔

اس مقام کا محلِ وقوع یہ ہے : ضلع پونچھ کا یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو رنگلا سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس گاؤں کو طارق آباد کہتے ہیں اور یہ تحصیل دہیرکوٹ میں واقع ہے۔

جن چھ افراد نے عہد نامہ رفاقت پڑھا اُن کے پتے اور اسماء حسب ذیل ہیں۔ (۱) زاہد حسین صاحب (ناظم) ڈاک خانہ رنگلا۔ گاؤں طارق آباد۔ تحصیل دہیرکوٹ ضلع پونچھ آزاد کشمیر

(۲) محمد ممتاز خان (رفیق) ایضاً

(۳) فیاض احمد خان 〃 〃

(۴) عبدالغفور خان 〃 〃

(۵) محمد زبید خان (طالب علم) 〃

(۶) محمد آصف 〃 〃

ملتان/وہاڑی : (۲۸ -- ۲۹ جولائی ۱۹۸۳ء)

جیسا کہ گذشتہ ماہ عرض کیا گیا تھا تنظیمی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے مرکز کی جانب سے رفقاء کے گروپ ایسے علاقوں میں بھیجے جاتے ہیں جہاں تنظیم کی شاخ حال ہی میں قائم

ہو۔ اس ضمن میں لاہور کے دو رفقاء کے ایک چھوٹے سے گروپ نے ملتان اور وہاڑی کا دورہ کیا۔ اس کے امیر ڈاکٹر وقار تھے۔ دورے کی اجمالی رپورٹ انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے :۔

الحمدللہ یہ مختصر دورہ تنظیم کے کام اور خود اپنی ہدایت کے اعتبار سے بہت موزوں رہا۔ میرے رفیقِ سفر حسبِ سابق جناب شیخ حفیظ صاحب تھے۔ پروگرام مرکز کی طرف سے ہدایت کے مطابق ملتان اور وہاڑی کا تھا۔ ملتان پہنچ کر معلوم ہوا کہ نہ تو امیرِ ملتان موجود ہیں اور نہ ہی ہمارے پہلے میزبان ڈاکٹر طغاکوانی صاحب۔ ہماری ملتان آمد کی اطلاع اگرچہ جناب ماجد خاں صاحب کو مل چکی تھی مگر ہمیں ان کے گھر کے راستے کا علم نہیں تھا۔ بہرحال ہم سیدھے گلگشت کالونی کی مرکزی مسجد میں گئے۔ حسنِ اتفاق سے وہاں ماجد صاحب کے والد نماز کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ان سے تعارف کروایا اور اپنی صورتِ حال عرض کی۔ وہ از راہِ لطف و کرم ہمیں اپنے ہاں لے گئے۔ گھر جا کر انہیں علم ہوا کہ ہماری آمد ان کے دولت خانے پر ہی ہونی چاہئے تھی۔ ماجد صاحب جو اپنی ڈیوٹی پر تھے کچھ دیر کے بعد گھر تشریف لے آئے۔ شام کے اجتماع میں سب رفقاء کو اکٹھا کر لیا گیا۔ ان کے سامنے دعوت کی بات تفصیلی طور پر رکھی گئی۔ کام کی رفتار ملتان میں کچھ رمضان اور کچھ رفقاء کی غیر موجودگی کے باعث پچھلے دو ماہ سے تقریباً رُکی ہوئی تھی جس کو نئے سرے سے منظم کرنے اور چلانے کی درخواست کی گئی۔ رفقاء بہت پرخلوص ہیں۔ امید ہے یہ علاقہ تنظیم کے لئے بہت مؤثر ثابت ہو گا۔

اگلے دن صبح صبح وہاڑی کے لئے روانہ ہوئے اور ۹ بجے کے قریب ..اکلومیٹر پر واقع اس بستی میں پہنچے۔ ڈاکٹر منظور صاحب کے کلینک کا خاکہ جو انہوں نے سالانہ اجتماع کے موقع پر بتایا تھا اسی کو ڈھونڈتے ہوئے بہرحال پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صاحب خاصی تندہی سے وہاں کام کر رہے ہیں۔ ہمارے پہنچنے کے تقریباً ۲ گھنٹے کے بعد ان سے ملاقات ہوئی۔ اس لئے کہ وہ ایک رفیق (جو کہ ان کے بھتیجے ہوتے ہیں) کے مکان کی تعمیر کے سلسلے میں قریبی گاؤں گئے ہوئے تھے۔ جمعہ کے وقت سب رفیق جمع ہو گئے تھے۔ ملتان کی طرح یہاں بھی ایک صاحب غیر حاضر تھے۔ بہرحال رفقاء کے سامنے یاد دہانی کے طور پر میں نے دعوت و اقامتِ دین کی اہمیت واضح کی۔ ڈاکٹر منظور صاحب

(باقی صفحہ ۶۵ پر)

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رین بو انٹرنیشنل

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ✤ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ✤ کاٹن گارمنٹس ✤ احرام تولیہ ✤ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ✤ لکڑی کا فرنیچر۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ✤ سٹکر فلم ✤ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ✤ پولیسٹر ریان۔

مرکزی دفاتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶۱ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور

ذیلی دفاتر:- کراچی - فیصل آباد۔

ضمیمہ میثاق ستمبر ۸۳ء

(۱)

ڈاکٹر اسرار احمد

کا خط بنام ——— صدرِ پاکستان

جنرل محمد ضیاء الحق بالقابہٗ

(تحریر: ۲۷ر دسمبر ۱۹۸۲ء)

(۲)

خطاب بہ صدرِ مملکت

مسجد دار السلام، باغِ جناح، لاہور، ۲۸ر نومبر ۸۰ء

(شائع شدہ 'میثاق' دسمبر ۸۰ء)

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
مَیں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی و محترمی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر و صدرِ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج گرامی ـ مندرجہ ذیل گذارشات پیش خدمت ہیں :ـ

مجھے یقین ہے کہ آپ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ میں معروف اور مرّوجہ معنی میں ہرگز سیاسی آدمی نہیں ہوں اور میرے بیشتر اوقات اور تمام تر مساعی مستقبل کے اسلامی انقلاب کے لئے میدان ہموار کرنے کی غرض سے دعوتی و تبلیغی اور تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کے لئے وقف ہیں۔ (چنانچہ یہی میرے وفاقی کونسل یا مجلسِ شوریٰ سے استعفے کا اہم ترین سبب تھا۔!)

ساتھ ہی مجھے اس امر کا بھی یقین ہے کہ یہ حقیقت بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوسکتی کہ کوئی باشعور مسلمان خالص غیر سیاسی نہیں ہوسکتا۔ بایں معنیٰ کہ وہ ملک و ملّت کے حالات سے قطعاً بے خبر یا لاتعلق رہے اور قوم و وطن کی صلاح و فلاح یا اُن کو درپیش خطرات و خدشات کے بارے میں سوچ بچار اور غور و فکر سے بھی کام نہ لے۔

چنانچہ میں بھی اس ضمن میں اپنی امکانی حد تک حالات کا مشاہدہ بھی کھلی آنکھوں سے کرتا ہوں اور دوسروں سے تبادلہ خیال بھی کھلے قلب و ذہن کے ساتھ کرتا ہوں۔ (اور اس سلسلے میں مجھے اپنے اُن دَوروں اور سفروں سے بھی مدد ملتی ہے جو مجھے اپنی دعوتی و تبلیغی مساعی کے ضمن میں اندرونِ ملک یا بیرونِ وطن کرنے پڑتے ہیں) ـــ اور پھر خود غور و فکر بھی کرتا ہوں اور اس کے نتیجے میں جو رائے بھی میری بنے، میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس کے مطابق مشورہ پورے نصح و خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ عوام کو بھی دوں اور ان کو بھی جن کے ہاتھوں میں ملک و قوم کی زمام کار ہے۔ از روئے فرمانِ نبوی ؐ: "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" یعنی "دین تو نام ہی نصح و اخلاص اور خیر خواہی و وفاداری کا ہے"۔ اور جب پوچھا گیا "لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟" یعنی "حضورؐ! کس کے ساتھ؟" تو ارشاد ہوا: لِلّٰہِ وَلِکِتٰبِہٖ

وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ"۔ یعنی "اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اخلاص و وفاداری اور مسلمانوں کے اُولوا الامر اور عوام دونوں کے ساتھ نصح و خیر خواہی!"

یہی وجہ ہے کہ آج سے سوا دو سال قبل اغلباً ۱۸ اگست ۸۰ء کو اسلام آباد میں علماء کنونشن، سے قبل منعقدہ مشاورتی اجلاس کے موقع پر جب میں نے آپ سے چند منٹ علیحدگی میں گفتگو کی تھی، تب بھی بعض مشورے آپ کے گوش گذار کئے تھے جن کا تعلق اکثر و بیشتر ملک کی سیاسی صورتِ حال سے تھا اور پھر جب اوائل مئی ۸۲ء میں لاہور کے گورنمنٹ ہاؤس میں 'مجلس شوریٰ' سے اپنا استعفیٰ پیش کرنے حاضر ہوا تھا، تب بھی میں نے بعض مشورے دیئے تھے جن کا تعلق اِس ملک میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ سے تھا --- اور اللہ گواہ ہے --- اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل بھی گواہی دے گا کہ ان دونوں مواقع پر میرا محرک مندرجہ بالا حدیث نبویؐ کے مطابق نصح و خیر خواہی کے جذبے کے سوا اور قطعاً کچھ نہ تھا! --- اور خالصتہً اسی جذبے کے تحت آج پھر میں اس عریضے کے ذریعے حاضرِ خدمت ہو رہا ہوں، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق کہنے اور آپ کو حق سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ آمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

جہاں تک اس ملک میں 'اسلامی شعائر کی ترویج اور شریعتِ اسلامی کے نفاذ۔ یا بالفاظ دیگر 'اسلامی نظام' کے قیام کا تعلق ہے اس کے بارے میں مجھے اس وقت کچھ عرض نہیں کرنا۔ جس کا اصل سبب، میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں، یہ ہے کہ اس معاملے میں میں آپ سے قطعاً مایوس ہو چکا ہوں۔ اور عرض و معروض یا گلہ شکوہ وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی توقع موجود ہو!

مجھے خوب معلوم ہے کہ اِس ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی ہر اعتبار سے نہایت بگڑے ہوئے معاشرے میں اسلام کا قیام و نفاذ کوئی آسان کام نہیں اور اس کیلئے

یقین محکم پر مبنی جرأتِ مومنانہ اور علم راسخ پر مبنی حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔ لیکن آپ کو تقدیر الٰہی نے جو ایک موقع عطا فرمایا تھا کہ آپ ع "بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا" کے مصداق اگر دینِ حق کے قیام و نفاذ کے لئے بھرپور کوشش اور پورے جرأت مندانہ اقدام کے باوجود خدانخواستہ ناکام رہتے تو کم از کم ایک ایسی مثال تو تاریخ میں چھوڑ جاتے کہ اگر ایک غیر مسلم (پرنس آف ویلز بعدہٗ ڈیوک آف ونڈسر) ایک عورت کی خاطر وقت کی عظیم ترین سلطنت کے تخت سے دست بردار ہو سکتا ہے تو ایک مسلمان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی اسلام کی خاطر حکومت و اقتدار کو قربان کر سکتا ہے ۔ مجھے شدید افسوس ہے کہ آپ اس موقع کا حق ادا نہ کر سکے ۔

اس ضمن میں جیسا کہ میں نے ۲۰ اگست ۸۰ء کو علماء کنونشن میں اپنی تقریر میں عرض کیا تھا، ابتدائی تین سال، جو اس اعتبار سے نہایت قیمتی تھے کہ "تحریکِ نظامِ مصطفیٰ" کا جوش و خروش برقرار تھا اور ملکی فضا میں وہ کیفیت قائم تھی کہ نظامِ اسلامی کے نفاذ کے ضمن میں بڑے سے بڑا اقدام بھی بلا روک ٹوک کیا جا سکتا تھا، تعطل اور تربص کے نذر کر دیئے گئے (اس طرح اسی غلطی کا اعادہ ہو گیا جس کا ارتکاب پاکستان میں برسرِ اقتدار آنے والی اوّلین قیادت نے کیا تھا۔)

پھر جب حدود اور زکوٰۃ آرڈی نینس کا اجراء ہوا اور اس پر اہلِ تشیع کی جانب سے جارحانہ ردِّ عمل ظاہر ہوا تو نہ صرف یہ کہ گھٹنے ٹیک دیئے گئے بلکہ ——— زیادہ قابلِ افسوس اور اہم تر بات یہ کہ نظامِ زکوٰۃ کے ضمن میں شیعہ اور سُنّی کے مابین تفریق کر کے ضعیف الایمان یا ناواقف سُنّیوں کے شیعہ بن جانے کا دروازہ کھول دیا گیا ——— اس کے باوجود کہ میں نے ۱۸ اگست ۸۰ء کے مشاورتی اجلاس میں خدا کا واسطہ دے کر عرض کیا تھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آپ زکوٰۃ آرڈی نینس پورے کا پورا واپس لے لیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو حسبِ سابق عوام کا نجی معاملہ قرار دیدیں ۔ لیکن خدارا اس میں شیعہ اور سُنّی میں فرق و امتیاز نہ قائم فرمائیے گا۔

اجتماعیاتِ انسانیہ کے ذیل میں اوّلین معاملہ عائلی اور سماجی نظام کا ہے اور اس ضمن میں ایک طرف عائلی قوانین کو شریعت کورٹ کے دائرہ کار اور حدودِ اختیار میں لانے کی جرأت آپ اس لئے نہیں کر پا رہے کہ بعض اعلیٰ طبقات کی بیگمات اور کچھ مغرب

زدہ خواتین کی جانب سے ناموافق ردِ عمل کا اندیشہ ہے — اور دوسری طرف معاشرے میں خواتین کے مقام و کردار اور ستر و حجاب یا خود آپ کے الفاظ میں "چادر اور چار دیواری" کے ضمن میں اسلام کے نقطۂ نظر کے بارے میں جو اختلافات گذشتہ دنوں ہمارے ملک میں زور شور سے ظاہر ہوئے، اس کے بارے میں اگرچہ زبانی تو آپ نے کچھ باتیں ایسی بھی کہیں جو دینی طبقات کے لئے اطمینان بخش تھیں، لیکن عملاً اپنا پورا وزن مغرب زدہ اور اباحیت پسند حلقے میں ڈال رکھا ہے (بالخصوص آپ کے حالیہ غیر ملکی دوروں کے دوران آپ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ کا یہ طرزِ عمل کہ سر سے چادر بھی اتر گئی — اور نامحرموں سے مصافحہ بھی ہو گیا — از خود بھی فیصلہ کن تھا، لیکن اس پر مزید مہر تصدیق آپ کے اُن فرمودات سے ثبت ہو گئی جو آپ نے اغلباً ہوسٹن میں ارشاد فرمائے تھے۔)

بنا بریں پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے عظیم معرکے کے آپ کے ہاتھوں سر ہونے کی اب کم از کم مجھے کوئی امید باقی نہیں رہی — اور مجھے اس رائے تک پہنچنے میں کہ یہاں اسلام صرف انقلابی طریق کار ہی سے آ سکتا ہے، آپ کے اس جملے نے بھی مدد دی ہے جو رحیم یار خان میں بلدیاتی نمائندوں کے ایک اجلاس میں ایک برقع پوش خاتون کونسلر کے تابڑ توڑ سوالات کے جواب میں کہ "آپ نفاذِ اسلام کے لئے یہ کیوں نہیں کرتے؟" اور وہ کیوں نہیں کرتے؟" آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "بیٹی! اس ملک میں اسلام کسی انقلابی عمل کے نتیجے میں نہیں آ رہا کہ ہم اتنے بڑے بڑے قدم اُٹھا سکیں!!" (یہ روایت ہے رحیم یار خاں کے معروف دینی اور سماجی کارکن ڈاکٹر محمد نذیر مسلم صاحب کی، جو اس خاتون کونسلر کے ماموں ہیں)

تاہم پاکستان کی بقا اور اس کے استحکام کے ضمن میں ایک مشورہ میں آپ کی خدمت میں ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں اور اصلاً اسی کے لئے یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں چونکہ مجھے اپنے ذاتی مشاہدات و معلومات اور حالات کے تجزیئے اور جائزے سے شدید اندیشہ لاحق ہے کہ مستقبل کا مؤرخ کہیں یہ نہ کہے کہ "۱۹۴۷ء میں 'پاکستان' کے نام سے مسلمانوں کی جو عظیم ترین مملکت وجود میں آئی تھی اُسے اوّلاً تو ۱۹۷۱ء میں دولخت کیا ایک شرابی اور زانی ٹولے نے اور پھر اس کے مزید ٹکڑے ہونے

(BALKANISATION) کا حادثہ رُونما ہوا ایک پابندِ صوم وصلوٰۃ اور دین دار و پرہیزگار شخص کے ہاتھوں!!" معاذاللہ! ثمّ معاذاللہ!!!

آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۸ اگست ۸۰ کو بالکل علیحدگی میں گفتگو کے دوران میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ " ملک میں جو سیاسی خلا مارشل لاء کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے، اُس کو دور کرنے کے لئے آپ کے ذہن میں نقشہ کیا ہے۔؟ میری رائے میں تو یہ سیاسی خلا (Political Vacuum) خودکشی (Suicide) کے مترادف ہے!!" ــــ اس پر آپ نے گہرے تاثر کے انداز میں فرمایا تھا کہ "ڈاکٹر صاحب! میں نے اپنا تو جائزہ لے لیا ہے کہ میرے اندر ہمت نہیں ہے (جس کے معنی میں نے یہ لئے تھے کہ آپ صدر ایوب مرحوم کے طرزِ عمل کی جانب اشارہ کررہے ہیں) لیکن موجودہ سیاسی جماعتوں کو حکومت دے دینے کو بھی میں اتنا ہی Suicidal سمجھتا ہوں اور تیسری کوئی شکل موجود نہیں ہے!" ــــ جس پر میں نے عرض کیا تھا کہ " نہیں جناب! تیسری صورت موجود ہے اور وہ یہ کہ آپ No Party Basis اور Shortest Possible Notice پر الیکشن کرادیں!!" ــــ تو آپ نے فرمایا تھا کہ " ہاں اس پر ہم غور کررہے ہیں کہ short notice اور No Party Basis نیز ایک L.F.O. کے ساتھ الیکشن کرا دیں!" ــــ آخر میں میں نے عرض کیا تھا کہ " یہ بالکل درست خیال ہے لیکن آپ آخر کب تک سوچتے رہیں گے؟ جلدی کیجئے! "Time is running out for You" ــــ آج اس گفتگو کو سوا دو سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا لیکن افسوس ہے کہ وہ سیاسی خلا جوں کا توں موجود ہے اور آپ کی جانب سے اس کے دُور کرنے کے لئے تاحال کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

اس ضمن میں اغلباً آپ کے اطمینان کا باعث یہ امر ہے کہ آپ کے خلاف کوئی عوامی تحریک نہ تاحال چل سکی ہے، نہ ہی اس کا کوئی فوری اندیشہ موجود ہے ــــ اس سلسلے میں میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ خدارا اس صورتِ حال سے دھوکہ نہ کھایئے ۔ اس لئے کہ اس کا اصل سبب بین الاقوامی حالات ہیں جن کے باعث پاکستان کے محبِّ وطن بالخصوص دینی ومذہبی مزاج کے لوگ کوئی

Risk لینے کو تیار نہیں ہیں — لیکن ایک تو کون نہیں جانتا کہ بین الاقوامی حالات میں کوئی تبدیلی کسی بھی وقت رُونما ہو سکتی ہے اور دوسرے کسی ملک کے بقا و استحکام کے لیے یقیناً بین الاقوامی صورتِ حال بھی کسی قدر اہم ہوتی ہے لیکن اصل اہمیت اس ملک کے اپنے عوام کا اطمینان ہوتا ہے -

اس سلسلے میں بالخصوص اندرونِ صوبہ سندھ جو لاوا پک رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کا علم آپ کو بھی لازماً ہو گا - لیکن میں اس امکان کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کر سکتا کہ بعض اوقات صاحبِ اقتدار لوگوں کے اردگرد جن لوگوں کا حصار قائم ہو جاتا ہے وہ اُسے صحیح صورتِ حال سے مطلع نہیں ہونے دیتے - واللہ اعلم!

میرے اندازے میں سندھ میں "سندھو دیش" کے لیے میدان پوری طرح اُسی طرح ہموار ہو چکا ہے جیسے مشرقی پاکستان میں "بنگلہ دیش" کے لیے ہوا تھا اور اب فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ مشرقی پاکستان ہم سے دُور اور کٹا ہوا تھا، اس لئے مرکزی حکومت وہاں مؤثر کنٹرول نہ کر سکی اور سندھ چونکہ زمینی طور پر ملحق ہے - لہٰذا یہاں ایسی کسی بھی تحریک کو بآسانی کچلا جا سکتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس عامل (Factor) پر بہت زیادہ انحصار بھی سخت ناعاقبت اندیشی ہے -

سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہمارے سیاسی مبصروں اور تجزیہ نگاروں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ اس سبب کو بیان کیا تھا کہ پاکستان میں (ایوب خان مرحوم کے) مارشل لا کے نفاذ نے وہاں کے لوگوں میں سیاسی محرومی کا احساس پیدا کر دیا تھا اور علیحدگی پسندوں کے ہاتھ میں سب سے بڑی دلیل یہ آگئی تھی کہ فوج چونکہ ساری مغربی پاکستان کی ہے لہٰذا فوج کی حکومت کے معنی یہ ہیں کہ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان پر حکومت کر رہا ہے — آج بعینہٖ یہی دلیل سندھ کے علیحدگی پسند لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ فوج کا اکثر و بیشتر حصہ پنجاب سے ہے اور کچھ تھوڑا سا سرحد سے - لہٰذا مارشل لا کے پردے میں اصلاً "پنجاب" ہم پر حکومت کر رہا ہے — اور ہر گزرنے والا دن اس دلیل کو قوی سے قوی تر کر رہا ہے —!

بنا بریں میں عرض کرتا ہوں کہ خدارا اس تعطّل کو جلد از جلد رفع کرنے کی جانب واضح پیش قدمی فرمائیے ایسا نہ ہو کہ یہ آتش فشاں پھٹ پڑے اور ہم ملک و ملّت کے کسی بھی بہی خواہ کے کیے کچھ نہ ہو سکے -!!

مجھے خوب اندازہ ہے کہ ایک جانب ہم اس وقت جس صورتِ حال سے دوچار ہیں، اس میں (اکثر سیاسی جماعتوں کے 'مبینہ' موقف کے مطابق) ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت انتقالِ اقتدار کے لئے فوری انتخاب میں بہت سی پیچیدگیاں مضمر ہیں — دوسری جانب ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں آپکے ذہن میں جو مختلف تجویزیں ہیں، وہ بھی ملک و ملت کی خیر خواہی کے جذبے پر مبنی ہیں — اور تیسری جانب مختلف سیاسی حلقوں کی طرف سے بھی جو اختلافِ رائے ان موضوعات پر سامنے آ رہا ہے کہ انتخابات جداگانہ ہوں یا مخلوط؟ — اور حسب سابق ہوں یا متناسب نمائندگی کے اصول پر-؟ وغیرہ وغیرہ — وہ بھی یقیناً خلوص و اخلاص ہی پر مبنی ہیں — لیکن میرے نزدیک اصل سوال یہ ہے کہ ان معاملات میں آخری فیصلہ کرنے کا مجاز کون ہے؟ کیا صرف آپ اور آپکے "رفقاءِ کار" یعنی مارشل لاء انتظامیہ؟ یا زیادہ سے زیادہ وہ سیاسی جماعتیں جو کسی درجے میں آپ کی منظورِ نظر ہیں یا کم از کم آپ کے لئے قابلِ قبول ہیں —؟؟ یا کوئی اور —؟؟؟

میں اس مسئلہ پر کم و بیش چھ ماہ سے مسلسل غور کرتا آ رہا ہوں — اور ایک رائے جس پر میرا دل ٹھک گیا ہے، تجویز کی صورت میں خالصۃً ملک و ملت اور خود آپکی خیر خواہی کے جذبے کے تحت آپکے سامنے رکھ رہا ہوں وہ تجویز یہ ہے کہ :-

(۱) ملک میں ایک انتخاب فوراً ہو — یعنی فروری یا مارچ ۱۹۸۳ء میں — لیکن یہ انتخاب انتقالِ اقتدار یا تشکیلِ حکومت کے لئے نہ ہو بلکہ ایک 'منتخب مجلسِ شوریٰ' یا 'مجلسِ ملی' کے لئے ہو — اس میں حق رائے دہی کی اساس اور حلقہ جات کی تشکیل تو بالکل وُہی ہو جس پر فروری ۷۷ء میں انتخابات ہوئے تھے - لیکن ہو یہ خالص غیر جماعتی بنیاد (No Party Basis) پر —!

(۲) اس طرح جو مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملی وجود میں آئے، اس کے سامنے ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں جو تجاویز آپکے سامنے ہیں، وہ آپ رکھیں اور طرزِ انتخاب وغیرہ کے ضمن میں جو باتیں دوسرے لوگوں کے سامنے ہیں، انہیں وہ رکھیں — اور ان تمام امور پر یہ مجلس ایک سال کے عرصے کے اندر اندر فیصلہ دے، جو نہ صرف یہ کہ دو تہائی اکثریت پر مبنی ہو بلکہ ہر صوبے سے منتخب

شدہ لوگوں کی بھی کم ازکم نصف تعداد لازماً اس میں شامل ہو — !

(۳) اگر یہ مجلس اس مشکل مرحلے کو کامیابی سے سرکرلے اور مطلوبہ اکثریت کے ساتھ نظام تجویز کردے تو مارشل لاء انتظامیہ تین سے چھ ماہ کے عرصے کے اندر اندر اس کے مطابق انتقالِ اقتدار اور تشکیلِ حکومت کے لئے الیکشن کرا دینے کی پابند ہو — اور اگر وہ مجلس ایک سال کے اندر اندر تفویض کردہ ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو وہ از خود تحلیل (Dissolve) ہو جائے اور پھر تین سے چھ ماہ کے عرصے میں اسی 'مجلسِ شوریٰ' یا 'مجلسِ ملّی' کا انتخاب دوبارہ ہو اور جب تک مطلوبہ اتفاقِ رائے (Consensus) حاصل نہ ہو، یہ سلسلہ جاری رہے — اور اس دوران میں فوج کے لئے نہ صرف اخلاقاً جائز بلکہ ملک و قوم کی حفاظت و سالمیت کے اعتبار سے لازم سمجھا جائے کہ وہ Care Taker کی حیثیت سے کاروبارِ حکومت چلاتی رہے — !

اس تجویز کے محاسن یا روشن پہلوؤں پر گفتگو کو میں اس لئے تحصیل حاصل سمجھتا ہوں کہ وہ اظہر من الشمس ہیں — البتہ اس کے **خلاف** اس واحد دلیل کا جائزہ لینا لازمی ہے جو بادی النظر میں بہت قوی معلوم ہوتی ہے یعنی کہ کہیں مجوزہ مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی ایک بھرپور ''دستور ساز'' — (Full Fledged Constituent Assembly) کا کردار اختیار نہ کرلے اور دستورِ ملکی کے خطرناک صندوقچے (Pandoras Box) کو کھول کر اُن نازک اور پیچیدہ مسائل کو از سرِ نو نزاعی نہ بنا دے جو ۷۳ء کے دستور میں طے شدہ ہیں۔

میرے نزدیک یہ دلیل بہت کمزور اور بودی ہے، اس لئے کہ مسائل کا حل ان سے اعراض اور صرفِ نظر سے نہیں بلکہ مقابلے اور مواجہے (یعنی Face کرنے) ہی سے ممکن ہوتا ہے — پاکستان کا قیام محض ایک وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ ہندوؤں ایسی منظم اور بیدار قوم اور اُس وقت کی حکمران طاقت (برٹش گورنمنٹ) کی متفقہ خواہشات

کے علی الرّغم پاکستان صرف اِس لئے قائم ہوا کہ ایک طرف مسلمانانِ ہند کو ہندوؤں کے انتقامی طرزِ عمل کے اندیشے کا منفی محرّک موجود تھا تو دوسری طرف احیائے اسلام کا مثبت جذبہ بھی موجود تھا جسے قائدِ اعظم مرحوم کے مسلسل اعلانات نے ایک نہایت قوی امّید کی صورت دے دی تھی — اور تیسری طرف ارادہ الٰہی اور مشیتِ ایزدی بھی شاملِ حال تھی جو اصل فیصلہ کن عامل (Factor) ہے — اور یہ تینوں عوامل اب بھی پوری قوّت و شدّت کے ساتھ موجود ہیں — ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ان کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے (یعنی Mobilise کیا جائے !) اور یہ کام ان شاءاللہ اس مجوّزہ مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی اور اس کیلئے منعقد ہونے والے انتخابات کے ذریعہ ہوجائیگا - اسلئے کہ چونکہ یہ انتخابات نہ تشکیل حکومت کے لئے ہوں گے اور نہ ہی جماعتی بنیاد (Party Basis) پر ہوں گے لہٰذا اس میں سیاسی حلقوں اور جماعتوں کی صف بندی (Polarisation) خالصتہً اس اساس پر ہوگی کہ کون محبِّ دین اور محبِّ وطن ہے — اور کون لادینیّت، الحاد، مادّہ پرستی، اباحیت اور علاقائی و لسانی قومیتوں کا عاشق اور پرستار — !! — اور مجھے یقین ہے کہ اگر تقسیم اس واضح اساس پر ہو تو ان شاء اللہ فیصلہ کن فتح محبِّ اسلام اور محبِّ پاکستان قوتوں کو حاصل ہوگی - جیسے کہ اکثر مبصرین اور تجزیہ نگار حضرات نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد کہا تھا کہ وہاں اگر لوگوں کے سامنے اصل مسئلہ یہ رکھا جاتا کہ 'پاکستان' کے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا اس سے علیٰحدہ ہونا ؟ — تو وہاں کے عوام کی غالب اکثریت لامحالہ 'متحدہ پاکستان' کے حق میں رائے دیتی !) مجھے اس تجزیہ سے کامل اتفاق ہے — اور مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری تجویز پر عمل درآمد کے نتیجے میں ان شاء اللہ العزیز 'تحریک پاکستان' کے ازسرِ نَو احیاء کا وہ مقصد باحسنِ وجوہ حاصل ہوجائے گا جس کے لئے آپ ہر سال 'یوم پاکستان' — 'یومِ اقبال' — اور 'عید میلاد النبیؐ' منانے کے ضمن میں کروڑوں روپے صرف کررہے ہیں - (جو معاف فرمایئے، اکثر و بیشتر ضیاعِ محض ہے — !)

میں اپنی اس تجویز اور اس کی افادیت پر بحمد اللہ عقلی اور نظری اعتبار سے پوری طرح مطمئن ہوں - لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا ایک وجدانی احساس

یہی ہے، جسے میں آپ پر ظاہر کر دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا — اور وہ یہ کہ قرآن حکیم میں سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ مصر کے طویل دورِ غلامی کے نتیجے میں ان میں سیرت و کردار کا جو زوال و اضمحلال پیدا ہو گیا تھا، وہ چالیس برس کی صحرا نوردی کے بعد رفع ہو سکا تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں بھی آزادی کے بعد بے یقینی اور بے مقصدیت کے صحرائے تیہ، میں بھٹکتے ہوئے چالیس برس کے لگ بھگ ہونے کو آئے ہیں تو کیا عجب کہ اب اس بھٹکے ہوئے راہی کو منزل کا سراغ مل ہی جائے —!! اور مملکتِ خداداد پاکستان عالمی سطح پر احیاءِ اسلام اور غلبۂ دین کے انقلاب آفریں عمل کے ضمن میں اپنے مثبت کردار کو ادا کرنے کے لئے کمر بستہ اور سرگرم عمل ہو ہی جائے —!!! وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ؕ

بصورتِ دیگر مجھے شدید اندیشہ ہے کہ ہمارا ملک تدریجاً جس محاذ آرائی کی جانب بڑھ رہا ہے اس کے دھماکہ خیز صورت اختیار کرنے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی اور آپ نے تاحال امریکہ اور روس کے مابین جو نازک توازن برقرار رکھا تھا، اس میں آپکے حالیہ دورۂ امریکہ کے بعد جو تبدیلی آئی ہے اُسکی بِنا پر روس اور بھارت دونوں ایسی کسی بھی صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے — اور اس کا نتیجہ ملک و ملت کے حق میں کسی طرح بھی خوش آئند نہ ہوگا۔

فقط والسلام مع الاکرام

خاکسار

اسرار احمد عفی عنہ

۲۷ر دسمبر ۸۲ء

مطابق ۱۰ر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

خطاب بہ صدرِ مملکت

اسرار احمد

دورانِ خطبہ جمعہ، مسجد دارالسّلام،
باغِ جناح، لاہور ——— ۲۸ نومبر ۱۹۸۰ء

"آپ حضرات کے علم میں ہے کہ آج صدرِ مملکت جناب محمد ضیاء الحق صاحب نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے اس مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ یہ ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات ہے۔ اگرچہ ایک پہلو سے ذرا تکلیف بھی ہوئی ہے۔ چونکہ باغ میں ہم نے سکیورٹی کا کچھ زیادہ ہی اہتمام دیکھا (یہ اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ انڈونیشیا کے صدر جناب سوہارتو صاحب نمازِ جمعہ کے بعد عصرانہ میں شرکت کے لیے باغِ جناح میں تشریف لانے والے تھے۔) شاید ہمارے چند مستقل نمازی ان غیر معمولی حفاظتی انتظامات کی وجہ سے مسجد تک نہ پہنچ سکے ہوں اور لوٹ گئے ہوں۔ بایں ہمہ صدرِ مملکت کی موجودگی ہمارے لیے بڑی مسرّت کی بات ہے۔ میں اس موقع پر چند باتوں کی طرف صدر صاحب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہ کام میں اس امید پر کر رہا ہوں کہ صدر صاحب اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ میں ایک خالص غیر سیاسی آدمی ہوں۔ میں اس وقت بھی عملی طور پر غیر سیاسی آدمی تھا، جب یہاں سیاست کی بڑی کھچڑیاں پک رہی تھیں اور بہت سے لوگوں نے بہتی گنگا سے خوب ہاتھ دھوئے تھے۔ میں اس وقت بھی تمام ہنگاموں سے بالکل الگ تھلگ رہا اور اُسی کام میں ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف رہا جس کو میں نے پورے شعور اور محاسبہ اُخروی کے احساسِ مسئولیت کے ساتھ اختیار کیا تھا اور اپنا نصب العین بنایا تھا یعنی قرآن حکیم کی روشنی میں اعلائے کلمۃ اللہ اور تجدیدِ ایمان کے لیے سعی و جہد اور دعوت و تبلیغ، الحمدللہ میں اس کام میں پوری یک سوئی کے ساتھ لگا رہا اور لگا ہوا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر کہ اس نے ہر قسم کی سیاسی اور ہنگامی ترغیبات کی طرف مجھے آنکھ اٹھانے سے محفوظ رکھا ہے۔ میں فی الوقت صاحبِ صدر

کو تحمل کے ساتھ سُنیں گے ۔ مجھے ذاتی طور پر تجربہ ہے کہ صدر صاحب نے بہت سے لوگوں کی باتیں کمال تحمّل اور صبر کے ساتھ سُنی ہیں۔ علماء کنونشن میں واقعہ یہ ہے کہ صدر صاحب نے لوگوں کی لمبی لمبی تقریریں جس تحمّل و صبر کے ساتھ سُنی ہیں میں ان کے حوصلہ اور ہمّت کی داد دیتا ہوں۔ آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں، کہ لوگوں کی فکری و ذہنی سطح میں عظیم تفاوت ہوتا ہے۔ مختلف ذہنی و فکری سطح کے لوگ جب کسی پلیٹ فارم پر تقریروں کے لیے آتے ہیں تو ان میں تقریریں کام کی بھی ہوتی ہیں اور بھرتی کی بھی ہوتی ہیں۔ ایسے مقرّرین بھی ہوتے ہیں جو زورِ بیان و تقریر کے اظہار کے لیے اپنی تقریر طویل تر کر دیتے ہیں اور متعلق و غیر متعلق موضوعات پر کافی وقت لے لیتے ہیں۔ لیکن مَیں نے علماء کنونشن میں دیکھا ہے کہ صدر صاحب نے بڑے سکون اور توجّہ کے ساتھ سب کی باتیں سُنیں۔ ان کے اس حوصلے اور ہمّت کی داد نہ دینا ظلم ہے ۔ لہٰذا مَیں نے ان کے اس وصف کا تذکرہ اپنے امریکہ کے حالیہ دورے میں بھی متعدد مقامات پر کیا اور یہاں بھی اپنی تقریروں میں اور اپنے احباب رفقاء کی مجالس میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

مَیں اس موقع پر چند چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف صدرِ مملکت کی توجّہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ مَیں بڑی بڑی باتوں کا ذکر دانستہ نظر انداز کر رہا ہوں۔ چونکہ بات موقع و محل کی مناسبت سے کہنی مفید ہوتی ہے۔ باتیں گو چھوٹی ہیں لیکن وہ صرف بظاہر ہی چھوٹی ہیں ورنہ ان کا گہرا تعلق ہمارے مجموعی فکر کے ساتھ ہے۔ ایک صاحب نے ایک مرتبہ کہا تھا اور بالکل درست کہا تھا کہ" ہم مسلمانوں کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ ہم بڑی بڑی باتوں کے متعلق تو بہت سوچتے ہیں۔ لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ چھوٹی باتیں بسا اوقات بڑی باتوں کے حل میں مانع ہوتی ہیں۔"

اس موقع پر مَیں صدر صاحب کی خدمت میں پہلی بات تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کے لیے جائزہ لیجئے کہ ہمارے ملک میں کرکٹ کے کھیل کو حکومت کی جو غیر معمولی سرپرستی حاصل ہے تو کیا یہ گیم قرآن مجید کی طرف سے ہم پر عائد کیا گیا ہے یا سنّتِ رسول ؐ سے ماخوذ ہے۔ یا ہماری روایات اور تہذیب کا کوئی لازمی حصّہ ہے۔ اس کھیل کی وجہ سے پانچ پانچ اور چھ چھ دن ہماری پوری قوم معطل ہو کر رہ

جاتی ہے۔ کھیل کی وجہ سے دفتروں میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ لوگ یا تو ٹی۔ وی کھولے کھیل دیکھتے ہیں یا ٹرانسسٹر ریڈیو کے ذریعہ کامنٹری سنتے ہیں۔ غور کیجئے کہ کتنا قیمتی وقت قومی سطح پر ضائع ہوتا ہے۔ ہمارے گیمز اور بھی ہیں، جو ڈیڑھ دو گھنٹے میں کھیلے جاتے ہیں۔ ان میں ایکشن ہے۔ حرکت ہے۔ جوانمردی ہے۔ ایسے گیمز کی سرپرستی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ کرکٹ کا گیم واقعہ یہ ہے میری سمجھ سے بالا تر ہے۔ کہ آخر کیوں ہم نے اس کو سر فہرست رکھ چھوڑا ہے۔ جبکہ اس گیم کا ہماری روایات سے اور ہماری تہذیب سے کوئی تعلق نہیں۔ کیا محض اس لیے کہ یہ گیم ہمارے سابق بدیشی حکمرانوں کا خاص اور پسندیدہ کھیل ہے اس کو جاری رکھا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کھیل کی سرپرستی کا کوئی جواز یا فائدہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وقت کا قومی سطح پر زیاں۔ پھر اس کھیل پر لاکھوں کا خرچ! جو فضول خرچی اور اسراف کے ذیل میں آتا ہے۔ اس لیے میں عرض کروں گا۔ کہ ہمدردی سے جائزہ لیجئے کہ اس گیم کی سرپرستی سے قومی سطح پر نقصان اور فائدے کا تناسب کیا ہے پھر کوئی مثبت قدم اٹھایئے۔

دوسری بات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے حوالے سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ :-

"میں اپنی اُمت کے بارے میں جس بات کا سب سے زیادہ اندیشہ رکھتا ہوں وہ عورتوں کا فتنہ ہے" (اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم)، خدا کے لئے سوچئے ہمارے دین کی کچھ روایات ہیں۔ کچھ شعائر ہیں۔ ہماری شریعت میں جہاں زنا اور قذف کیلئے حدود و تعزیرات مقرر کی گئی ہیں، وہاں ستر و حجاب کے لئے بھی کچھ احکامات دیئے گئے اور کچھ قیود عائد کی گئی ہیں میں یہ بات مختلف مواقع پر اپنی تقاریر و تحریرات میں عرض کر چکا ہوں اور ٹیلی ویژن پر بھی کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ شریعت کے تمام احکام کو نافذ نہیں کریں گے تو یہ شریعت پر ظلم ہوگا اور لوگوں پر بھی ظلم ہوگا۔ ہمیں اپنی روایات کی طرف دیکھنا چاہیئے اور ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم ان سے روگردانی تو نہیں کر رہے ہ

میں بڑی دلسوزی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ پتہ نہیں، میری زندگی کتنی ہے اور کتنی زندگی صدر صاحب! آپ کی ہے لہذا قول حق کہنے میں نہ مجھے مداہنت

اختیار کرنی چاہیے اور نہ ہی آپ کو اس پر سنجیدگی سے غور و خوض کرنے میں تامل کرنا چاہیئے ۔ آپ سوچئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ آپکے عہد حکومت میں پاکستان میں خواتین کی ہاکی کی ٹیم ریا باہر جانے کے لئے تیار ہو رہی ہے ۔ اور ایسے معاملات میں قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھتے ہیں ۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ سیلاب کا رُخ موڑیں اور معاشرے سے وہ طور طریقے ختم کرنے کی کوشش کریں جو ہمارے دین کی رُو سے بُرائیاں ہیں اور ہماری اخلاقی اقدار کے قطعی منافی ہیں ۔ خدا نے آپ کو اس کا موقع دیا ہے ۔ سیاسی باتیں میں اس موقع پر نہیں کرنا چاہتا ۔ وہ اپنی جگہ اہم ہیں ۔ لیکن ہر چیز کا اپنا ایک مقام ہے ۔ ویسے بھی میں عرض کر چکا ہوں کہ میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں اور میں اپنی زندگی دین مبین اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم کی خدمت کے لئے وقف کر چکا ہوں ۔ میری یہ حقیر اور ناچیز کوششیں میرے لئے کسی درجہ میں بھی توشۂ آخرت ہو جائیں تو یہی میرے لئے سب سے بڑی سعادت ہے لیکن میں اپنا دینی فرض سمجھتا ہوں کہ مجھے کتاب و سنت سے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ نبی اکرمؐ کے قول مبارک کہ " الدین النصیحۃ " کی تعمیل میں آپ کی دینی و دنیوی خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں ۔ حجاب کے احکام ہماری شریعت کے جزو لاینفک ہیں امہات المؤمنین کے لئے سورۂ احزاب میں جو احکام آئے ہیں ، وہ محض تلاوت کے لئے نہیں ہیں بلکہ عمل کے لئے ہیں جیسے ہمارے مردوں کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسوہ حسنہ ہیں ۔ ہماری خواتین کیلئے بھی تو اُسوہ چاہیئے تھا ۔ سورۃ احزاب ہی میں یہ آیت آئی ہے " لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ " (سورۃ احزاب آیت ۲۱) بلاشبہ اے مسلمانو! تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ ایک بہترین و کامل نمونہ ہے اب خواتین کیلئے بھی تو ایک اُسوہ حسنہ چاہیئے تھا ۔ خواتین کی زندگی کے کچھ پہلو ایسے بھی ہیں جن کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اُسوہ نہیں بن سکتی ۔ اس ضرورت کیلئے ہماری خواتین کے لئے اُسوہ ہے ازواج مطہرات کا ۔ اسی لئے ازواج مطہرات سے قرآن مجید میں اسی سورۃ احزاب میں فرمایا گیا ہے کہ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ (آیت ۳۲) " اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو " یعنی تمہیں تو اُمت کی خواتین کے لئے نمونہ بننا ہے ۔ اسی لئے فرمایا کہ " اگر تم

سے کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو اسے دہری سزا دی جائیگی" (آیت ۳۰) اور تم میں سے
جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگی اور نیک عمل کریگی، اس کو ہم دوہرا اجر
دیں گے" (آیت ۳۱) ازواج مطہرات کو جو تنبیہ کی گئی اور جو بشارت دی گئی ہے تو یہ
معاملہ ہمارے غور و فکر کا ہے۔ ہمیں چاہیئے۔ کہ ان آیات پر تدبر کریں اور ان سے جو
ہدایات اخذ ہوں، ان پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں سے عمل کرانیکی حتی الامکان
اور حتی الوسع کوشش کریں۔ مجھے اندازہ ہے کہ انگریز کی غلامی اور دوسرے اسباب
سے ہمارے معاشرے کی ذہنی و اخلاقی اقدار و روایات میں زبردست انحطاط آیا ہے۔
میں جانتا ہوں کہ ہماری معیشت کا ایسا ڈھانچہ بن گیا ہے جس میں عورتیں معاشی
میدان میں کام کر رہی ہیں۔ ان کا مسئلہ کافی پیچیدہ ہے۔ لیکن میں عرض کرونگا کہ

'Where there is a Will there is a way'

یعنی عزم مصمم ہو اور یہ ارادہ کر لیا جائے کہ یہ کام کرنا ہے، اپنی روایات اور اپنے
دین کی تعلیمات کو اختیار کرنا ہے تو ان شاء اللہ راہ آسان ہو جائیگی۔

تیسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ صدر ایوب مرحوم کے دور میں جو عائلی
قوانین نافذ کئے گئے تھے، ان کو پاکستان کے ہر مکتب فکر کے علماء کرام نے غلط
قرار دیا تھا لیکن آج بھی ان کو تحفظ حاصل ہے۔ خدا کے لئے سوچیئے کہ جو قوانین بالاتفاق
شریعت سے متصادم ہیں، وہ کیوں نافذ رہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالٰی آپ سے کوئی بڑا
کام لے اور آپ اس ملک کی تاریخ میں ایک عظیم شخصیت کا مقام حاصل کریں۔ ہمارے
ہاں بڑے بڑے لوگ پہلے بھی اقتدار میں آئے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے ان کو مواقع دیئے
بدقسمتی سے وہ محروم رہ کر اس دنیا سے چلے گئے ہم نہیں چاہتے کہ آپ کا نام بھی ایسے
لوگوں میں شامل ہو۔ لہذا میری مخلصانہ اپیل ہے کہ جو مواقع آپکو حاصل ہیں، انکو غنیمت
سمجھا جائے۔ تبدیلی اور اصلاح کے کام کا آغاز چھوٹی چھوٹی سی باتوں ہی سے کیجیئے "قطرہ قطرہ
بہم شود دریا" ۔۔ میں نے کچھ چھوٹی چھوٹی باتیں آپکے سامنے رکھی ہیں۔ میری دعا
ہے کہ اللہ تعالٰی آپ کو اس کی توفیق عطاء فرمائے کہ جو قول حق ہے، اس کو سنیں
اور قرآن حکیم کے الفاظ مبارکہ کا کامل مصداق بنیں "اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ
فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ" یعنی جو صحیح بات بھی آپ کے گوش گزار ہو، اس کو عزم
مصمم ... آمین یا رب العٰلمین۔

آپ کو پریسٹرلیسڈ کنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بلے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

❀ صدر دفتر : ۶۔کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

فون:۔ ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۴

* پچیسواں کیلومیٹر۔ لاہور شیخوپورہ روڈ
* جی۔ٹی روڈ کھاریاں (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات
* پچیسواں کلومیٹر شیخوپورہ روڈ۔فیصل آباد۔
* فیروزپور روڈ۔ نزد جامعہ اشرفیہ۔ لاہور۔ فون:۔ ۴۱۲۵۶۹
شیخوپورہ روڈ۔ نزد نیشنل ہوزری فیصل آباد۔ فون:۔ ۵۰۶۲۶
* جی۔ٹی روڈ۔ مریدکے۔ فون: ۷۰۰۳۸۹
* جی۔ٹی روڈ۔سرائے عالمگیر
* جی۔ٹی روڈ۔سواں کیمپ۔ راولپنڈی: فون:۔ ۶۸۱۲۷

جاری کردہ: مختار سنز گروپ آف کمپنیز

Regd. L. No. 7360

MONTHLY **"MEESAQ"** LAHORE

Vol. 32	SEPTEMBER 1983	No. 9

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر قومی معیشت کو مستحکم بنائیے

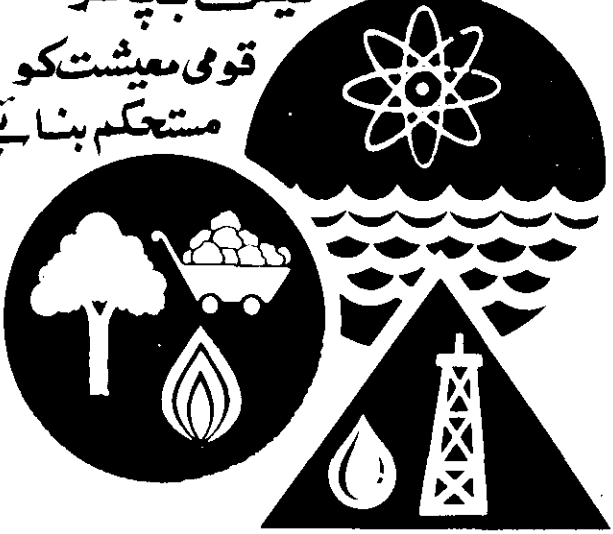

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ قیمتی ہے۔
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SNGPL 4/80

paragon